جاسوسی دنیا
1

بھیانک جزیرہ

جاسوسی دنیا سیریز نمبر ۱۷

ابنِ صفی

۱۹۵۳

نوشتہ

انٹرنیٹ ایڈیشن ۲۰۲۵

پیش رس

"بھیانک جزیرہ" ابنِ صفی کے اُن شاہکار ناولوں میں سے ایک ہے جس کی اشاعت نے موصوف کی شہرت کی بنیادوں کو مستحکم اور پائیدار بنایا تھا۔

یہ ناول سُراغ رسانی کے علاوہ ایڈونچر کا زبردست کارنامہ ہے اور عظیم ابنِ صفی کا سحر نگار قلم ایک انوکھے جزیرہ کی سیر کراتا ہے۔ یہ پہلا ناول ہے جس میں رشید، انور، حمید اکٹھا کام کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ حمید اور انور کی نوک جھونک اور دونوں کے مقابلے میں ابنِ صفی نے حفظِ مراتب کا خاص لحاظ رکھا ہے اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ دونوں میں سے کس کو کس پر ترجیح دی جائے لیکن

ان تمام خوبیوں سے زیادہ اہم اس ناول کا وہ رُخ ہے جو رشیدہ کے کردار پر روشنی ڈالتا ہے۔ رشیدہ کی پُر اسرار شخصیت جاسوسی دنیا پڑھنے والوں کے لیے خاص طور پر پُر کشش رہی ہے۔ اس کہانی میں اس کی شخصیت کھل کر سامنے آتی ہے اور یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ابنِ صفی کا جادُو نگار قلم شخصیتیں تخلیق کرنے میں ماہر ہے۔

پبلشر

بُوڑھا تیغ زن

رات بھر موسلا دھار بارش ہوتی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قیامت سے پہلے ہی شہر کی اونچی اونچی عمارتیں ریت میں تبدیل ہو کر سمندر کے سینے میں سما جائیں گی۔ کوچہ و بازار ویران پڑے تھے۔ ہوا کے تیز جھونکے کھڑکیوں اور جالیوں میں شور مچاتے درانہ میں گھُس رہے تھے۔ بادلوں کی گرج سے عمارتوں کی بنیادیں تک لرز رہی تھیں۔ رات بھر طوفان خوف و ہراس کے جھنڈے گاڑ تا رہا۔

کہ شاید وہ کوئی غیر ملکی ہے۔ اور صُبح شہر کی سب سے بارونق سڑک پر ایک لاش پڑی ہوئی دکھائی دی۔ لاش جس پر ایک تار بھی نہیں تھا بالکل ننگی لاش۔ جس

کے چہرے کا سارا گوشت کاٹ لیا گیا تھا پیشانی پر بکھرے ہوئے بالوں کے نیچے آنکھوں کی جگہ دو بڑے غار نظر آرہے تھے۔ ناک کی ابھری ہوئی ہڈّی کے نیچے ڈاڑھوں تک پھیلے ہوئے دانت جسم کی تانبے جیسی رنگت سے ظاہر ہوتا تھا۔

وہ راہگیر جنہوں نے اسے دیکھا تھا سوچ رہے تھے کہ اس دِل ہلا دینے والے منظر کو وہ زندگی بھر نہ بھلا سکیں گے۔ لاش وہاں سے اٹھوادی گئی اور پولیس والے قرب وجوار کی عمارتوں میں پھیل گئے۔ لیکن کسی کو اس کے متعلّق کُچھ معلوم نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ مقتول نے ٹھیک اسی جگہ چیخ چیخ کر دم توڑا ہو۔ لیکن طوفان کی ہنگامہ خیزیوں میں کسے خبر ہوتی؟

حادثہ مے پول ہوٹل کے سامنے ہوا تھا۔ انسپکٹر جگدیش نے ہوٹل کا رجسٹر چیک کیا۔ قیام کرنے والے مسافروں میں چھان بین کی لیکن مقتول ان میں سے نہ تھا۔ آخر تھک ہار کر وہ اور سی آئی ڈی انسپکٹر ڈائینگ ہال میں آبیٹھے۔

”میں تو تنگ آگیا ہوں اس شہر سے۔“ انسپکٹر جگدیش اپنی پیشانی کا پسینہ پونچھتا

ہوا بولا۔ ”روز ایک قتل دھرا ہے۔“

”یہ یقیناً کوئی غیر ملکی ہی تھا۔“ آصف نے کہا۔ ”اس رنگ کے لوگ اپنی طرف نہیں دکھائی دیتے۔“

”غیر ملکی۔۔۔۔ لیکن آخر کہاں کا؟“

”یہ بتانا دشوار ہے۔“ آصف کُچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”قاتل نے صورت ہی بگاڑ دی ورنہ غیر ملکی سفارتخانوں میں تفتیش کر لی جاتی۔“

”ایسے ہی موقعوں پر بے اختیار فریدی صاحب یاد آجاتے ہیں۔“

”وہی کیا کر لیتا۔“ آصف منہ چڑھا کر بولا۔

”یہ مت کہو۔۔۔۔ انہوں نے ایسے ایسے بے سروپا جرائم سے پردہ اٹھایا ہے جن کی شاید فرشتوں کو بھی خبر نہ رہی ہو گئی۔“

”ذہن پر ذرا سا زور دینے پر سب کُچھ معلوم ہو جاتا ہے۔“ آصف لاپروائی سے

بولا۔

”تبھی تو وہ لونڈا انور تمہیں انگلیوں پر نچاتا رہتا ہے۔“ جگدیش نے مُسکرا کر کہا۔

”تم غَلَط سمجھے۔۔۔۔نہ جانے کیوں مجُھے اس پر رحم آ جاتا ہے۔“

”اس پر یا اس لڑکی پر۔۔۔۔!“ جگدیش اسے آنکھ مار کر مُسکرایا۔

”کیا بات کر رہے ہو تم بھی۔۔۔۔وہ میری لڑکی کے برابر ہے۔“

”لیکن وہ ہے کون؟“ جگدیش نے کہا۔ ”جب سے اس نے داراب کو قتل کر کے حکومت سے دس ہزار روپے وصول کیے ہیں اُلجھن سی ہو گئی۔ آخر وہ ہے کون؟ کس خاندان سے تعلّق رکھتی ہے؟“

”میرا خیال ہے کہ شاید انور بھی اس سے واقف نہیں ہے۔“

”اور وہ دونوں ساتھ رہتے ہیں۔“

”ہاں۔“

"اور انور یہ نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔"

"وہ بھی کُچھ جھکی سا ہے۔ وہ ہمیشہ آم کھاتا ہے۔۔۔۔ پیڑوں سے اسے کوئی غرض نہیں ہوتی۔"

"تو گویا ان دونوں کی رہائش غیر قانونی ہے۔" جگدیش نے کہا۔

"یہ تو خُدا ہی جانے۔۔۔۔ ویسے ان دونوں کا یہی کہنا ہے کہ وہ صرف ایک دوسرے کے دوست ہیں۔"

جگدیش نے معنی خیز انداز میں قہقہہ لگایا۔

"تعجّب ہے کہ انور ابھی تک دکھائی نہیں دیا۔" جگدیش نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"تم نے نہیں دیکھا!" آصف نے مُسکرا کر کہا۔ "وہ نہ جانے کب سے قرب و جوار کی عمارتیں سونگھتا پھر رہا ہے۔"

"بعض اوقات وہ اپنی حدود سے نکل جاتا ہے۔" جگدیش ناخوشگوار لہجے میں

بولا۔ ”اگر مجھے فریدی صاحب کا خیال نہ ہوتا تو میں اسے کسی قیمت پر بھی نہیں چھوڑتا۔“

”لیکن مُصیبت تو یہ ہے کہ وہ اپنے بچاؤ کے لیے ہمیشہ ایک نہ ایک لطیفہ تیّار رکھتا ہے۔“

”دیکھو میاں آصف۔۔۔ آدمی اگر کرنے پر آ جائے تو سب کُچھ کر گزرتا ہے۔“

”خیر بھئی چھوڑو ہٹاؤ۔۔۔ اس لاش کے متعلّق کیا کیا جائے؟“

”ایسے معاملات تو مقدارت پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔“ جگدیش انگڑائی لے کر بولا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔!“ پیچھے سے آواز آئی۔ جگدیش اور آصف مُڑے۔ انور ایک میز پر جھُکا ہوا سگریٹ سُلگا رہا تھا۔

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں جگدیش صاحب۔“ وہ ناک سے دھواں نکالتا ہوا بولا۔

”مقدرات سے زیادہ ایسے موقعوں پر جیوتش ودیا کام دیتی ہے۔ نہیں تو پھر رمل، کوڑیاں پھینکے اگر سب پٹ پڑیں تو مقتول لال بادشاہ ورنہ امریکہ کا ریڈ انڈین۔“

”میرا خیال ہے کہ میں نے کبھی آپ سے مشورہ نہیں لیا۔“ جگدیش ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

”ریڈ انڈین۔۔۔۔!“ آصف چونک کر بولا۔

”ہاں بچپن میں کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ ریڈ انڈین تانبے کی شکل کے ہوتے ہیں۔“ انور مُسکرا کر بولا۔

”مگر ریڈ انڈین یہاں کہاں۔“ آصف نے کہا۔ ”"امریکہ کی حکومت انہیں امریکہ سے کب جانے دیتی ہے۔“

”لیکن وہ لوگ جو میکسیکو میں آباد ہیں ان پر اس قسم کی پابندیاں نہیں۔ اس لیے کہ وہ مہذّب ہیں۔ خصوصاً اسپینی نسلوں کے لوگ عموماً بیرونی ممالک سے براہِ

راست تجارتی تعلّقات رکھتے ہیں۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں امریکی سفارت خانے میں تفتیش کرنی چاہیے۔"
آصف نے کہا۔

"اب یہ تم جانو۔۔۔ میں تو آج نیشنل رائفل کلب میں میکسیکو کے ایک باشندے
ڈان ونسنٹ کی تیغ رانی کے کمالات دیکھوں گا۔ مطلب یہ کہ ڈان ونسنٹ ایک
مشہور تیغ زن ہے۔ رائفل کلب کے شمشیر زنوں سے آج اس کا مُقابلہ ہو گا۔ اس
نے اس شہر کے سارے تیغ زنوں کو چیلنج کیا ہے۔"

"اوہ۔۔۔!" آصف اسے گھورنے لگا۔

"وہ بھی سُرخ رنگ کا ہے۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔ وہ تھوڑی دیر کھڑا مُسکراتا رہا پھر
باہر چلا گیا۔

"دیکھا تُم نے۔۔۔!" آصف نے جگدیش کو مخاطب کیا۔

"میں کیا دیکھوں تم دیکھو۔۔۔ اب بھی فریدی صاحب کے اعجاز کے قائل ہو

جاؤ۔۔۔۔ یہ سب انہیں کی صحبت کا نتیجہ ہے۔"

"فریدی۔۔۔۔!" آصف منہ بگاڑ کر بولا۔ "میرے سامنے کا لڑکا ہے۔ یہ بھی ایک اتّفاق ہے کہ اسے اتنی شہرت نصیب ہو گئی ہے ورنہ وہ دراصل اس کا اہل نہیں۔ سُراغ رسانی کے بنیادی اصولوں سے تو واقف نہیں ہے۔"

"بس بنیادی لکیریں تو تم ہی پیٹا کرو۔ انہوں نے نئ نئ راہیں نکالی ہیں۔"

"لیکن ان کا فن سے تو کوئی تعلّق نہیں۔" آصف نے کہا۔

"خیر اب تمہارا فن بھی دیکھ لیا جائے گا۔" جگدیش سر ہلا کر بولا۔ "مُجھے اچّھی طرح معلوم ہے کہ تم انور کی مدد کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتے۔"

"یہ سراسر جھوٹ ہے۔"

"خیر ہو گا۔۔۔۔!" جگدیش اٹھتا ہوا بولا۔ "میں نے اپنا کام مکمّل کر ہی لیا ہے۔ دو تین دِن ادھر اُدھر ہاتھ مارنے کے بعد کیس تمہارے محکمے کے سپُرد کر دیا جائے گا۔"

”تو پھر نیشنل کلب کی کیا رہی۔“ آصف بولا۔

”اگر انور سچ کہتا ہے تو ہمیں وہاں ضرور جانا چاہیے۔“

”لیکن ہم نے اس سے یہ بھی نہ پوچھا کہ مُقابلہ کس وقت ہو گا۔“ آصف نے کہا۔

”میں جھوٹ نہیں کہتا۔“ جگدیش مُسکرا کر بولا۔ ”سچ مُچ تم اس لونڈے کی انگلی پکڑ کر چلتے ہو۔ نیشنل کلب دور ہی کتنا ہے۔ ابھی چل کر معلوم کیے لیتے ہیں۔“

آصف جھینپ گیا۔

نیشنل رائفل کلب پہنچ کر وہ دونوں سیدھے سیکریٹری کے کمرے میں چلے گئے۔ دروازہ اندر سے بند تھا اور کئی آدمیوں کی آوازیں سُنائی دے رہی تھیں۔ جگدیش نے آہستہ آہستہ دستک دی۔

”ٹھہرو۔۔۔!“ اندر سے ایک آواز آئی اور جگدیش کی بھنوئیں سکڑ گئیں۔ اس نے دروازے کو دھکّا دیا اور دونوں پٹ کھُل گئے۔

کمرے میں تین آدمی تھے۔ ایک تو کلب کا سیکریٹری اور دو کوئی غیر ملکی جن کی رنگت تانبے کی طرح سُرخ تھی۔ آصف کی آنکھیں چمکنے لگی۔

"اوہ آپ لوگ!" سیکریٹری اُٹھتا ہوا تحیّر آمیز لہجے میں بولا۔ "معاف کیجیے گا۔ میں کُچھ اور سمجھا تھا۔۔۔۔ تشریف رکھئے۔"

"میں نے سُنا ہے کہ آج آپ کے یہاں کوئی مُقابلہ ہونے والا ہے۔" جگدیش نے پوچھا۔

"جی ہاں۔۔۔۔ جی ہاں۔۔۔۔ تیغ زنی کا مُقابلہ۔۔۔۔!" مینجر ان غیر ملکوں میں سے ایک کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "سینور ڈان ونسنٹ۔۔۔۔ میکسیکو کے باشندے ہیں۔ آج شام کو کلب میں اپنی تیغ زنی کے کمالات دکھائیں گے۔"

سیکریٹری نے اُن سے اِن دونوں کا تعارف کرایا۔ دوسرے کا نام ڈان الفریڈو تھا۔ دونوں اُکھڑی اُکھڑی انگریزی میں گفتگو کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر جگدیش اصل موضوع پر آگیا۔

"مسٹر ونسنٹ میں آپ کو تھوڑی سی تکلیف دوں گا۔" جگدیش نے انگریزی میں کہا۔

"کہیے۔۔۔۔!" ونسنٹ مُسکرا کر بولا۔ "یہ ایک قوی الجثّہ اور طویل القامت آدمی، پیشانی کشادہ اور سر کے بال سیاہی مائل سُرخ تھے۔ آنکھیں بِلّی کی آنکھوں کی طرح، کبھی ہلکی اور کبھی گہری سبز معلوم ہوتی تھیں۔

ناک سے ہونٹوں کے فاصلے کی زیادتی نے چہرے کو غیر متناسب بنا دیا تھا۔ ہونٹ پتلے تھے اور خاموشی کی حالت میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے ہونٹ بھینچے ہوئے ہے۔

"آپ یہاں کب آئے ہیں؟"

"پرسوں۔۔۔۔کیوں؟"

"آپ کے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟"

"چار۔۔۔۔!"

”آپ میکسیکو سے سیدھے یہاں آئے ہیں؟“

”نہیں ہم انگلینڈ میں تھے۔ دراصل ہم دُنیا کی سیاحت کے لیے نکلے ہیں اور تیغ زنی کے مظاہرے کر کے اپنا سفر خرچ نکالتے ہیں۔ آپ کا ملک ہمارے پروگرام میں شامل ہے۔“

”آپ کے تین ساتھی کہاں ہیں؟“

”دِل کشا ہوٹل میں۔ ہم لوگ وہیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔“

”کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ کے تینوں ساتھی اس وقت بھی دِل کشا میں موجود ہیں؟“

”کیوں۔۔۔؟ اُس کے لہجے میں تحیّر تھا۔ ”ہم انہیں اس وقت وہیں چھوڑ کر آئے ہیں۔“

”بات یہ ہے کہ ہمیں ایک لاش ملی ہے۔ ننگی لاش۔۔۔ اس کا چہرہ بگاڑ دیا گیا ہے۔ رنگت کے اعتبار سے مقتول آپ ہی کی طرف کا معلوم ہوتا ہے۔“

”اوہ۔۔۔۔!“ ڈان ونسنٹ کی آنکھیں خوف اور حیرت سے پھیل گئیں۔ ”لاش آپ کو کس وقت ملی۔“

”صُبح چھ بجے۔“

”تب تو کوئی پریشانی کی بات نہیں۔“ وہ ہنس کر بولا۔ ”میرے چاروں ساتھی آٹھ بجے تک زندہ تھے لیکن میں اس لاش کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ خُدا کرے وہ میرا ہم وطن نہ ہو۔“

تھوڑی دیر بعد جگدیش انہیں ساتھ لے کر کوتوالی پہنچ گیا۔ انہیں لاش دکھائی گئی۔ ڈان ونسنٹ لاش کو دیکھ کر کُچھ پریشان سا نظر آنے لگا۔

”بے شک یہ میرا ہی ہم وطن معلوم ہوتا ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے۔“

”اس سے پہلے آپ کے مُلک کا کوئی باشندہ یہاں دکھائی نہ دیا۔“ آصف نے کہا۔

”ہم لوگ امریکن سفارت خانے کی وساطت سے غیر ممالک کا سفر کرتے ہیں

میرے خیال سے آپ اس کا پتہ وہیں سے لگا سکتے ہیں۔"

"وہ تو ہم بھی جانتے ہیں۔" آصف بولا۔

"اچھّا تو اب میں جاؤں۔" وہ اُن سے ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔ "مُجھے اُمّید ہے کہ آج شام کو آپ لوگ رائفل کلب پروگرام ضرور دیکھیں گے۔"

"ضرور۔۔۔۔ ضرور۔۔۔۔!" جگدیش نے اسے یقین دلایا۔

اُس کے چلے جانے کے بعد جگدیش اور آصف ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔لاش پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج دی گئی۔

امریکن سفارت خانے میں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان پانچ آدمیوں کے علاوہ میکسیکو کا کوئی اور باشندہ شہر میں نہیں داخل ہوا۔

"یار آصف میری تشفی نہیں ہوئی۔" جگدیش نے کہا۔

"پھر۔۔۔۔!"

”ہمیں آر لکھنؤ چلنا چاہیے۔“

”تو تم اِن لوگوں کے پیچھے پڑ گئے۔“ آصف مُسکرا کر بولا۔

”ہاں میں اِن کے تین ساتھیوں کو بھی ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”چلو بھئی! حالانکہ ابھی میرا اس کیس سے کوئی تعلّق نہیں لیکن پھر بھی میں دلچسپی لینے کے لیے مجبور ہوں۔“

”کیوں۔۔۔۔؟“ جگدیش نے پوچھا۔

”میں تمہیں یہ دِکھانا چاہتا ہوں کہ صرف فریدی پر ہی دُنیا نہیں ختم ہو گئی۔“

”اوہ۔۔۔۔!“ جگدیش ہنس کر بولا۔ ”ضرور ضرور۔۔۔۔ اس موقعے کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔“

”شاید تم مذاق سمجھ رہے ہو۔“

”نہیں بھئی مذاق کیوں سمجھوں گا۔ میں تو دِل سے چاہتا ہوں کہ فریدی صاحب

انگلینڈ سے واپسی پر کوئی اور دھندا دیکھیں۔"

آر لکھنو پہنچ کر انہوں نے سب سے پہلے ہوٹل میں قیام کرنے والوں کا رجسٹر دیکھا۔ پانچوں کے نام درج تھے۔ ایک ویٹر سے انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ پانچوں اِس وقت ڈائیننگ ہال میں موجود ہیں۔ دونوں نے ڈائیننگ ہال کا رُخ کیا۔

پانچوں ایک بڑی میز کے گرد بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ آصف اور جگدیش کنارے کی میز پر چلے گئے۔ آصف نے لنچ کا آرڈر دیا اور تھوڑی دیر بعد وہ بھی کھانے میں مشغول ہو گئے۔

"ہیں تو پانچ ہی۔۔۔!" جگدیش بولا۔

"بھئی میرا خیال ہے کہ ان کے پیچھے پڑنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔" آصف نے کہا۔

"ہاں۔۔۔ آں۔۔۔!" جگدیش کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔ اس کی نظریں دروازے کی طرف اُٹھ گئیں۔ اس کے چہرے پر توجّہ کے آثار دیکھ کر آصف

بھی مُڑا۔

دروازے کے قریب انہیں دو آدمی دکھائی دیئے ان میں ایک بُوڑھا تھا اور دوسرا جوان۔ بُوڑھے کے چہرے پر بھورے رنگ کی فرنچ کٹ داڑھی تھی اور ہونٹوں میں پائپ دبا ہوا تھا۔ سر پر اطالوی طرز کی نیلی فلیٹ ہیٹ تھی۔ اس نے اپنی پلکیں اس طرح سکوڑ رکھیں تھیں جیسے آنکھوں میں دھواں لگ رہا ہو۔ اس کا جوان ساتھی اس کی طرح گٹھیلے جسم کا نہیں تھا۔ اس کی داڑھی سیاہ تھی اور آنکھوں سے مکّاری جھلکتی تھی۔ بُوڑھا اُس سے آہستہ آہستہ کُچھ کہہ رہا تھا اور وہ اپنے ہونٹ بھینچ کر ہنسی روکنے کوشش کر رہا تھا۔

"یہ دونوں بھی غیر مُلکی ہی معلوم ہوتے ہیں۔" جگدیش نے کہا۔

"آخر تمہارے سر پر غیر مُلکی کیوں سوار ہو گئے ہیں؟" آصف ہنس کر بولا۔

"جگدیش پھر کھانے میں مشغول ہو گیا۔" تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔

"اس قسم کی لاش سے پہلی بار میرا سابقہ پڑا ہے۔ کم بخت قاتل نے اس کے جسم

پر کپڑے ہی رہنے دیئے ہوتے۔"

"ظالم نے جوتے بھی نہ چھوڑے۔" آصف کو انور کی آواز سُنائی دی۔ جگدیش اُسے گھورنے لگا۔ لیکن انور اس کی پرواہ کیے بغیر ایک کُرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"اس وقت ہم لوگ کوئی حیرت انگیز خبر سننے کے موڈ میں نہیں ہیں۔" آصف ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"مطمئن رہو۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "میں بھی اس کیس میں اپنی ناکامی کا صدقِ دِل سے اعتراف کرتا ہوں۔"

"میں پہلی بار تمہارے مُنہ سے ایسا جملہ سُن رہا ہوں۔" آصف کی آواز میں تحیّر تھا۔

"جگدیش صاحب۔۔۔ جس چیز کا تذکرہ کر رہے تھے وہ تفتیش کے سِلسِلے میں آخری کڑی تھی۔ اس کے بغیر کوئی اقدام سعی لاحاصل ہو گا۔ کپڑوں پر کم از کم لانڈری کے نشانات ضرور مل جاتے۔"

”قطعی۔۔۔۔!“ جگدیش کی آواز میں دبا سا جوش تھا۔

”اور یہ پانچوں ہی ہیں۔“ انور میکسیکو کے باشندوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

”ظاہر ہے کہ مقتول اِن میں سے نہیں ہو سکتا۔ میں نے معلوم کیا ہے کہ یہ پانچوں ہی آدمی امریکی سفارت خانے کی وساطت سے یہاں آئے ہیں۔“ وہ خاموش ہو کر سگریٹ سلگانے لگا۔

جگدیش کُچھ کہنے ہی والا تھا کہ ہوٹل کے کلرک نے ایک لفافہ لا کر اُس کی طرف بڑھا دیا جس پر انسپکٹر جگدیش تحریر تھا۔

”کس نے دیا ہے؟“ جگدیش نے پوچھا۔

”یہ تو میں نہیں جانتا۔“ کلرک سٹپٹا کر بولا۔

”کیا مطلب۔۔۔۔؟“ جگدیش اسے گھورنے لگا۔

”میں لکھنے میں مشغول تھا۔“ کلرک نے کہا۔ ”کوئی اِس طرح میری میز پر رکھ گیا

کہ مُجھے خبر تک نہ ہوئی۔“

”اچھا۔۔۔!“ جگدیش نے اُسے جانے کا اشارہ کیا اور لفافہ کھولنے لگا۔ کاغذ پر کُچھ تحریر تھا جسے پڑھ کر جگدیش کی آنکھیں پھیلتی جارہی تھیں اس نے اُسے میز پر رکھ دیا اور چاروں طرف تجسّس آمیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

آصف کاغذ اُٹھا کر پڑھ رہا تھا۔

”جگدیش، آصف اور انور صاحبان!“ مُجھے آپ سے ہمدردی ہے آپ حضرات نے شاید ابھی تک طریقہ قتل پر غور نہیں کیا۔ آپ یقین کیجیے کہ اُس کے چہرے کا گوشت اُس کے ختم ہو جانے کے بعد کاٹا گیا ہے۔ اِس سے اُس کی موت کا کوئی تعلّق نہیں لیکن اُس کے بقیہ جسم پر کوئی اور دوسرا زخم بھی نہیں ہے۔ ذرا ذہن پر زور دیجیے۔ مقتول کی بائیں پنڈلی پر آپ نے ایک نیلے رنگ کی دھاری دیکھی ہو گی۔ وہ دھاری ہی دراصل اُس کی موت کا باعث بنی تھی۔ آپ یقین کیجیے کہ پوسٹ مارٹم کے وقت اِس دھاری سے ایک باریک سی سوئی بر آمد ہو گئی۔ زہر

میں بجھائی ہوئی سوئی۔ جان لینے کا یہ طریقہ میکسیکو کے قدیم باشندوں کی ایجاد ہے۔ اسپینی جنرل کورٹے کے سینکڑوں سپاہی انہیں زہریلی سوئیوں کے شکار ہوئے تھے۔ اِن کے استعمال کا طریقہ بڑا دلچسپ ہے۔ یہ پتلی پتلی نلکیوں میں رکھی جاتی ہیں۔ استعمال کے وقت انہیں ہونٹوں میں دبا کے پھونکتے ہیں۔ اِس عمل سے سوئیاں برق رفتاری سے اُچھل کر شکار کے جا چُبھتی ہیں اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے دم توڑ جاتے ہیں۔ آپ ڈاکٹر کو فوراً مطلع کیجیے کہ وہ اِس دھاری کا خاص طور سے خیال رکھے اور پھر اگر آپ وہ سوئی برآمد ہو جانے کے بعد بھی قاتل یا قاتلوں کو نہ پکڑ سکیں تو میں آپ حضرات کو خودکُشی کا مشورہ دوں گا۔"

"یہ کون ہو سکتا ہے؟" جگدیش آہستہ سے بولا۔

"کوئی بھی ہو۔" انور نے کہا۔ "لیکن ہمیں اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔"

"مطلب۔۔۔۔؟" آصف متفکّرانہ انداز میں بولا۔

”اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اِن سوئیوں اور نلکیوں کے لیے ان کی تلاشی لینی چاہیے۔“ انور نے کہا۔

”ٹھیک ہے لیکن پوسٹ مارٹم رپورٹ ملے بغیر میں ایسا اقدام نہیں کر سکتا۔“ جگدیش کُچھ سوچتا ہوا بولا۔

”آخر یہ مشورے دینے والا کون؟“ آصف نے کہا۔

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ جگدیش کی نظریں پھر اُن دونوں کی طرف اُٹھ گئیں۔ وہ قریب ہی کی میز پر کھانا کھا رہے تھے۔ بُوڑھے کا جوان ساتھی ہال میں بیٹھی ہوئی عورتوں کو گھور رہا تھا۔

”میں اگر آپ کی جگہ ہوتا تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا انتظار نہ کرتا۔“ انور نے جگدیش سے کہا۔

”آپ ہوتے ہی کیوں میری جگہ۔“ جگدیش منہ بنا کر بولا۔

”بہرحال یہ لکھ لیجیے کہ یہ آپ کے بس کا روگ نہیں۔“ انور اُٹھتا ہوا بولا۔ قبل

اِس کے کہ جگدیش کُچھ کہتا وہ جا چکا تھا۔ جگدیش اور آصف بڑی دیر تک اس پُر اسرار خط پر گفتگو کرتے رہے لیکن کسی خاص نتیجے پر پہنچنا امرِ محال تھا۔ انہوں نے ایک بار پھر کلرک پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی لیکن نتیجہ وہی صفر۔

ہوٹل سے نکلے تو رائفل کلب کی ایک موٹر دِکھائی دی جس پر سے شام کے مُقابلے کے لیے اعلان ہو رہا تھا۔ داخلہ ٹکٹ کے ذریعے تجویز کیا گیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ خاصی بھیڑ ہو جائے گی۔" آصف بولا۔

"چیز دلچسپ ہو گی۔" جگدیش نے کہا۔ "میرے خیال سے نشستیں مخصوص کرا لی جائیں گی۔"

"میں اُس کا انتظار کر لوں گا۔"

آصف چلا گیا۔ جگدیش کا ارادہ تھا کہ وہ بھی واپس جائے لیکن کُچھ سوچ کر رُک گیا۔ وہ ان میکسیکن لوگوں کا پیچھا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر تک سوچنے کے بعد فیصلہ کر لیا کہ وہ ان پر کڑی نظر رکھے گا۔ وہ پھر آرلکچنو میں واپس آ گیا۔

پانچوں غیر ملکی ڈائیننگ ہال سے اُٹھ گئے تھے۔ جگدیش نے پھر ہوٹل کا رجسٹر لے کر ان کے کمروں کے نمبر دیکھے اور اوپری منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ ایک طویل راہداری سے گزر رہا تھا۔ جس کے دونوں طرف کمرے تھے۔ یہ بھی کُچھ عجیب اتّفاق تھا کہ ان پانچوں کو سِلسِلے وار خالی کمرے مل گئے تھے۔ جگدیش ان نمبروں پر اُچٹتی سی نظر ڈالتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ وہ تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ کسی نے پیچھے سے اسے مخاطب کیا۔

جگدیش مُڑا۔ جس بُوڑھے کو اس نے ڈائیننگ ہال میں دیکھا تھا اس کا جوان ساتھی اسے اشارے سے بلا رہا تھا۔ اس کے بلانے کا طریقہ اتنا بھدّا تھا جگدیش اپنی توہین محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ بہر حال طوعاً و کرہاً پلٹا۔

"تم حجّام ہو؟" اُس نے جھٹکے دار بھدّے لہجے میں پوچھا۔ یہ سوال اس نے غَلَط سلط انگریزی میں کیا تھا۔

"تُم ہوش میں ہو یا نہیں!" جگدیش بگڑ کر بولا۔

اِس پر اُس نے جگدیش کو اُلٹی سیدھی گالیاں سُنا کر رکھ دیں۔ قریب کے کمروں سے بُوڑھا بھی نکل آیا۔ اُس نے اپنے جوان ساتھی کو کھینچ کر پیچھے ہٹا دیا اور خود جگدیش سے معافی مانگنے کے بعد اپنے ساتھی کو ایک ایسی زبان میں ڈانٹنے لگا جو جگدیش کے لیے ناقابلِ فہم تھی۔

"آفیسر۔ مُجھے افسوس ہے کہ اِس نے آپ کو حجّام کہہ کر مخاطب کیا۔" اس نے جگدیش سے انگریزی میں کہا۔ "بات یہ ہے کہ یہاں پہلی بار آیا ہوں۔ ہمارے ملک میں صرف حجّام ہی اِس قسم کا یونیفارم پہنتے ہیں۔"

"آپ کہاں سے آئے ہیں؟" جگدیش نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں ابھی تک ناخوشگواری تھی۔

"ہم پُرتگال کے باشندے ہیں۔" بُوڑھا خوش اخلاقی سے جھک کر بولا۔ پھر اپنے ساتھی کو مخاطب کیا۔ "آفیسر سے معافی مانگو۔"

"مُجھے افسوس ہے۔" اُس نے لٹھ مار دیا۔ "اُس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا

جیسے وہ اب بھی جگدیش کو حجّام ہی سمجھنے پر مُصِر ہے۔"

جگدیش گھورتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اس بے موقع اور بے تکے واقعے نے اس کا موڈ خراب کر دیا تھا۔

وہ دوسرے کونے تک جا کر پھر واپس لوٹا۔ اس بار انور کی شرارت آمیز مسکراہٹ اس کا انتظار کر رہی تھی۔

"بڑے بد تمیز ہوتے ہیں یہ پرتگالی۔"

"لیکن تُم یہاں کیا کر رہے ہو؟" جگدیش اُسے گھور کر بولا۔

"کیوں کیا یہاں ٹہلنا منع ہے۔"

"میں تمہیں منہ لگانا پسند نہیں کرتا۔" جگدیش نے خُشک لہجے میں کہا۔

"لیکن میں تو آپ کو انسپکٹر پولیس سمجھتا ہوں۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "بہرحال یہ خبر میرے اخبار کے لیے بہت دلچسپ ثابت ہو گی کہ پرتگال باشندے یہاں

کے پولیس والوں کو حجّام سمجھتے ہیں۔"

انور جانے کے لیے مُڑا۔

"ٹھہرو۔۔۔۔!" جگدیش آگے بڑھ کر بولا۔

انور پلٹ کر مُسکرایا۔

"میں فریدی صاحب کی وجہ سے تمہارا خیال کرتا ہوں۔" جگدیش نے کہا۔

"اور اِسی وجہ سے میں بھی تُم سے آج تک نہیں اُلجھا کہ فریدی صاحب تم پر مہربان ہیں۔"

جگدیش اُسے گھورتا رہا۔

"یہ خبر اخبار میں نہیں چھپے گی۔" جگدیش سخت لہجے میں بولا۔

"اچھّا دیکھا جائے گا۔" انور نے کہا اور مدھم سُروں میں سیٹی بجاتا ہوا نیچے چلا گیا۔

جگدیش کی بیزاری اور بڑھ گئی۔ اب وہ یہاں کسی قیمت پر بھی ٹھہرنے کے لیے

تیّار نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ بھی منہ لٹکائے ہوئے نیچے اتر رہا تھا۔

جگدیش شام تک پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن ہزار تقاضوں کے باوجود بھی نہ مل سکی۔ اس دوران میں آصف نے اُسے اِطّلاع دی کہ تیغ زنی کے مقابلے کے ٹکٹ مل گئے ہیں اور سیٹیں بھی مل گئی ہیں۔ جگدیش کا دِل نہیں چاہتا تھا کہ وہ کسی قسم کی تفریح میں حصّہ لے۔ سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ وہ انور کا سامنا کرنا نہیں چاہتا تھا اور وہاں جانے پر اس سے ملاقات یقینی تھی۔ تقریباً چھ بجے آصف پہنچ گیا اور جگدیش کو شدید انکار کے باوجود اس کے ساتھ جانا پڑا۔

نیشنل رائفل کلب کا وسیع میدان قناتوں سے گھِرا ہوا تھا۔ اندر مختلف قسم کی کرسیوں سے درجوں کی تشکیل کی گئی تھی۔ نشستوں کا انتظام دائرے کی شکل میں کیا گیا تھا۔ وسط میں اسٹیج بنایا گیا تھا جو چاروں طرف سے کھلا ہوا تھا۔

ٹھیک سات بجے ڈان ونسنٹ اسٹیج پر نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔

اناؤنسر نے مجمع سے اس کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ”ہمارے کلب کے چند نامور شمشیر زن ڈان ونسنٹ سے مُقابلہ کریں گے۔“

اِس کے بعد اُس نے کلب کے ایک ممبر کے نام کا اعلان کیا۔ ایک نوجوان شمشیر زن شمشیر تولتا ہوا اسٹیج پر آیا اور تلواروں کے جھنکار سے فضا مرتعش ہو گئی۔

چند ہی لمحوں کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ مُقابلہ کرنے والے کی تلوار زمین پر تھی اور ڈان ونسنٹ کی تلوار اس کے سینے پر۔

”بہت پھُرتیلا ہے۔“ جگدیش نے آصف سے کہا۔

”مجُھے تو اُمّید نہیں کہ کوئی اس کے مقابلے میں کامیاب ہو سکے۔“ آصف آہستہ سے بڑبڑایا۔

آصف کا خیال صحیح تھا۔ اس نے صرف آدھے گھنٹے میں سارے مُقابلہ کرنے والوں کو زیر کر لیا۔ وہ کسی تدبیر سے ان کے ہاتھ سے تلوار نکال دیتا تھا۔

”خواتین و حضرات۔“ ڈان ونسنٹ نے مجمع کو اپنی طرف مخاطب کیا۔ ”مجُھے

افسوس ہے کہ آپ میں سے کوئی بھی مُجھے زیر نہ کر سکا۔ میں نے آپ کے ملک کے تیغ زنوں کی بڑی تعریف سُنی تھی۔ لیکن میں آپ کو الزام نہ دوں گا۔ یہ فن آہستہ آہستہ ساری دُنیا سے ختم ہوتا جارہا ہے۔ ہاں دُنیا کا ایک حصّہ ایسا ہے جہاں کے لوگوں نے آتش گیر اسلحوں کی موجودگی میں بھی اِس فن کی حفاظت کی ہے۔ اور مُجھے فخر کے ساتھ اس بات کا اعلان کرنے دیجیے کہ وہ حصّہ میرا وطنِ عزیز میکسیکو ہے۔"

"یہ قطعی جھوٹ ہے۔" ایک گرج دار آواز سُنائی دی۔ لوگوں کی نظریں اُس طرف اُٹھ گئیں اور جگدیش کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔ یہ وہی بُوڑھا پُرتگالی تھا جس کے جوان ساتھی نے اُسے حجّام سمجھا تھا۔

"تُم کیا کہنا چاہتے ہو۔" ڈان ونسنٹ نے اسے للکارا۔

"میں کہنا چاہتا ہوں کہ میکسیکو کے باشندے جھوٹی شیخی بگھارتے ہیں۔"

"صاف صاف کہو!" ڈان ونسنٹ بگڑ کر بولا۔

”میں تمھیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ پُرتگالی بھی کسی سے پیچھے نہیں ہے۔“

”کیا زبانی؟“ڈان ونسنٹ کے لہجے میں تمسخر تھا۔

”نہیں۔۔۔۔اس کا اظہار میری تلوار کرے گی۔“

”مجھے منظور ہے۔“ڈان ونسنٹ مُسکرا کر بولا۔ پھر مجمع سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔
”آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا؟“

”قطعی نہیں۔۔۔۔ قطعی نہیں۔۔۔۔!“ بے شمار آوازیں آئیں۔

بُوڑھے کے لیے کلب کے سیکریٹری نے ایک تلوار منگوائی جسے وہ دو تین منٹ تک ہر زاویے سے دیکھتا رہا۔۔۔۔ پھر وہ اسٹیج پر پہنچ کر مجمعے سے مخاطب ہوا۔
”خواتین و حضرات! میں اپنی اِس بے موقع دخل اندازی پر شرمسار ہوں۔ اگر سینور ڈان ونسنٹ ساری دُنیا کو نہ للکارتے تو میں یہ بدتمیزی ہرگز نہ کرتا۔“

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔“ مجمع بے تابانہ انداز میں چیخا۔

اناؤنسر تھوڑی دیر تک بُوڑھے سے سر گوشیاں کرنے کے بعد بُلند آواز میں بولا۔

"موسیو البرانو پُرتگال کے باشندے ہیں وہ خود کو تیغ زنی کا ماہر نہیں سمجھتے لیکن پھر بھی سینور ڈان ونسنٹ جیسے مشہور تیغ زن سے مُقابلہ کرنے جارہے ہیں۔"

اِس کے بعد اناؤنسر نے ڈان ونسنٹ کو اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ تھوڑی دیر تک پھر سر گوشیاں ہوتی رہیں۔

"خواتین و حضرات۔" اناؤنسر کی آواز پھر سُنائی دی۔ "یہ مُقابلہ آدھے گھنٹے تک ہو گا موسیو البرانو کا دعویٰ ہے کہ وہ آدھ گھنٹہ میں ایک درجن تلواریں توڑیں گے۔"

مجمع نے اس اعلان پر پُرجوش تالیاں بجائیں۔

دوسرے لمحے میں دونوں تلواریں سونت رہے تھے۔

اچانک ڈان ونسنٹ بُوڑھے البرانو پر جھپٹا۔ البرانو نے اُس کی تلوار اپنی تلوار پر روکی اور دونوں میں زور ہونے لگا۔ مجمع اُس بُوڑھے کی طاقت پر عش عش کر رہا

تھا۔ دفعتاً البرانو حیرت انگیز پھُرتی کے ساتھ پیچھے ہٹا اور ڈان ونسنٹ اپنے زور میں تلوار سمیت زمین پر آرہا۔ مجمعے نے تالیاں بجائیں۔ ڈان ونسنٹ جلدی سے اُٹھ بیٹھا۔ لیکن اُس کے ہاتھ میں آدھی تلوار تھی۔ اس نے جھلّا کر ٹوٹی ہوئی تلوار زمین پر پٹخ دی اور دوسری تلوار کے لیے چیخا۔ بُوڑھا اِس انداز میں کھڑا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ دوسری تلوار ملتے ہی ڈان ونسنٹ نے اُسے للکارا لیکن اُس کے سنبھلنے سے پہلے ہی اس پر ٹوٹ پڑا۔ یہ حملہ بڑا ہی خطرناک تھا۔ اگر البرانو ذرا سا بھی چوکتا تو تلوار اس کے سینے سے پار ہو جاتی۔ اناؤنسر اور ریفری دونوں چیخنے لگے۔ تفریحی مُقابلہ خون کی پیاس میں تبدیل ہو چکا تھا لیکن ریفری اُس کے بیچ میں آنے کی ہمّت نہ کر سکا۔ دونوں وحشیانہ انداز میں تلواریں چلا رہے تھے۔ خصوصاً ڈان ونسنٹ تو جامے سے باہر ہو رہا تھا۔ دفعتاً پھر ایک زوردار جھنکار سُنائی دی اور ڈان ونسنٹ کی تلوار پھر ٹوٹ گئی تھی۔ اب کی اُس نے ٹوٹی ہوئی تلوار بُوڑھے البرانو پر پھینک ماری لیکن البرانو نے اُسے اپنی تلوار پر روک کر ایک طرف ڈال دیا۔ اس کے چہرے پر غُصّے کے آثار کی بجائے طنز آمیز

مسکراہٹ تھی۔

مجمع نے چیخ کر آسمان سر پر اٹھالیا۔

ڈان ونسنٹ گھونسہ تان کر البرانو پر جھپٹا۔ بُوڑھے نے اپنی تلوار ایک طرف ڈال دی لیکن اس اثنا میں ڈان ونسنٹ کا گھونسہ اس کے جبڑے پر پڑ چکا تھا۔ البرانو لڑکھڑا کر چار قدم پیچھے ہٹ گیا لیکن اُس کا جوابی حملہ اتنا سخت تھا کہ ڈان ونسنٹ کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا۔ وہ اسٹیج کے نیچے لڑکھڑا کر بے ہوش ہو گیا۔

البرانو کو بے شمار آدمیوں نے گھیر لیا تھا اور اس کی تعریفوں کے پُل باندھے جا رہے تھے لیکن وہ کُچھ بوکھلایا بوکھلایا سا نظر آرہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُن سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہو۔

"وہ پھر آرہا ہے۔" دفعتاً البرانو چیخا۔ لوگ دوسری طرف مُڑے اور وہ نہایت صفائی سے اُن کے نرغے سے نکل گیا لیکن انسپکٹر جگدیش کی نظریں اُس کا پیچھا کر رہی تھیں۔ اس نے دیکھا کہ وہ ایک طرف کی قنات چاقو سے پھاڑ کر باہر نکل

گیا۔ جگدیش اس کی طرف لپکا۔ وہ بھی اسی راستے سے باہر نکل ہی رہا تھا کہ کسی نے اس کی ٹانگ پکڑ کر کھینچ لی۔ جگدیش جھلّا کر پلٹا لیکن وہ اتنے بڑے مجمع میں کسے ٹوک سکتا تھا اور پھر ایسی صورت میں جبکہ اس نے کسی کو صریحی طور پر دیکھا نہیں تھا۔

بہر حال اس پر اس کا بہت بُرا رد عمل ہوا۔ وہ گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگا کہ کوئی اسے دیکھ کر ہنس تو نہیں رہا اس بوکھلاہٹ میں وہ یہ بھی بھول گیا کہ کُچھ دیر قبل البرانو سے دو دو باتیں کرنے کا تہیّہ کر چکا تھا۔

جگدیش نے دیکھا کہ انور کُچھ دور کھڑا مُسکرا رہا ہے۔ جگدیش بوکھلا کر اس کی طرف بڑھا۔

"اور اس وقت اس کم بخت نے تمہاری ٹانگ پکڑ لی۔" انور ہنس کر بولا۔

"کون تھا۔۔۔؟" جگدیش نے بے اختیار پوچھا۔

"وہی جس نے دوپہر کو تمہیں حجّام کہا تھا۔"

”اوہ۔۔۔۔اور تم کھڑے دیکھتے رہے؟“

”نہیں۔۔۔۔میں نے اُسے پکڑنا چاہا تھا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔“

”وہ گیا کِدھر۔۔۔۔!“

”اگر یہی معلوم ہوتا تو پکڑ ہی نہ لیتا۔“ انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

جگدیش خاموش ہو گیا۔

”ڈان ونسنٹ زندہ ہے یا مر گیا۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”مرا تو نہیں لیکن مُردے سے بدتر ہے۔“ انور نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

”میں نے اتنی خوفناک تیغ زنی آج تک نہیں دیکھی۔“

”اس بُوڑھے کے جسم میں آدمی کی روح نہیں معلوم ہوتی۔“

”مجھے یقین ہے کہ اگر ڈان ونسنٹ قاعدہ سے مُقابلہ کرتا تو بُوڑھا اپنے وعدے کے مطابق آدھے گھنٹے میں ایک درجن تلواریں ضرور توڑ دیتا۔“ جگدیش نے

کہا۔

"مُجھے تو اسے بُوڑھا کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔" انور نے کہا۔ "مُجھے شُبہ ہے کہ وہ بُوڑھا نہیں ہے۔"

"کیا مطلب۔۔۔۔؟"

"اگر تم اپنے چہرے پر مصنوعی سفید داڑھی لگالو تو کیا سچ مچ بُوڑھے ہو جاؤ گے۔"

"مگر اُس کی داڑھی مصنوعی نہیں معلوم ہوتی۔" جگدیش نے کہا۔

"معلوم نہ ہونا اور بات ہے۔ تُم نے کھینچ کر تو دیکھی نہیں۔" انور کُچھ سوچتا ہوا بولا۔

دوسرا اجنبی

دوسرے دِن کے اخبارات تیغ زنی کے حیرت انگیز مقابلے کی نت نئی کہانیاں سنا رہے تھے۔ پُر اسرار البرانو کی شخصیت پر نئے نئے زاویوں سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی۔ انور کا اخبار اس معاملے میں سب سے آگے بڑھ گیا تھا۔ اس نے ایک پولیس انسپکٹر کی ٹانگ کے کھینچے جانے والا واقعہ بھی پیش کیا تھا۔ لیکن پولیس انسپکٹر کا نام نہیں ظاہر کیا تھا۔

تقریباً گیارہ بجے انسپکٹر آصف انور کے دفتر میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ جیسے ہی انور دفتر پہنچا آصف اس پر جھپٹ پڑا۔

”یہ کس انسپکٹر کی داستان تھی۔“

”تم سے مطلب۔۔۔؟“ انور نے بے رُخی سے کہا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

”تمہاری شامت تمہارے گرد منڈلا رہی ہے۔“ آصف بھنّا کر بولا۔

”اپنا کام دیکھو۔۔۔ میں ہر گز یہ نہ بتاؤں گا کہ وہ کون تھا۔“

”پولیس تم پر توہین کا مقدمہ چلا دے گی۔“

”خیر اس صورت میں اس انسپکٹر کا گریبان پکڑ کر عدالت میں کھینچ لے جاؤں گا۔“ آصف بیٹھ گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک انور کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

”جگدیش نہ جانے کیوں تم سے ناراض ہے۔“

”تعجّب ہے۔“ انور حیرت کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ ”میں نے آج تک اس سے کوئی تعلّق نہیں رکھا لیکن وہ پھر بھی ناراض ہے۔ میں اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔“

”خیر چھوڑو! البرانو کے متعلّق تمہارا کیا خیال ہے۔“

”وہی جو کُچھ تم نے میرے اخبار میں پڑھا ہے۔“

”اس سے تو کوئی خاص خیال واضح نہیں ہوتا۔“

”تو پھر بس یہ سمجھ لو کہ میرا کوئی خاص خیال نہیں۔“

”لیکن وہ پھر دونوں غائب کیوں ہو گئے؟“

”کون۔۔۔؟“

”البرانو اور اس کا ساتھی۔“

”کہاں غائب ہو گئے!“ انور دلچسپی کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

”انہوں نے کل رات ہی کو آرلکچنو ہوٹل چھوڑ دیا۔“

”اور تم لوگ ان کی تلاش میں ہو۔“ انور مُسکرا کر بولا۔

”ہاں۔۔۔!“

”کیوں۔۔۔۔؟“

”ڈان ونسنٹ کی حالت بہت ابتر ہے۔“

”اچھّااس لاش کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا کیا ہوا؟“

”انتہائی حیرت انگیز۔“ آصف دیدے پھرا کر بولا۔”اُس پُراسرار خط کے مطابق سچ مچ اُس کی پنڈلی سے ایک زہریلی سوئی برآمد ہوئی ہے۔ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ موت کا باعث اس سوئی کا زہر ہی ہوا ہے۔“

”اور پھر تم نے ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں کی تلاشی نہیں لی۔“

”اس وقت تو یہی کر کے آرہا ہوں۔“ آصف نے کہا۔”آخر تم اتنے بد اخلاق کیوں ہوگئے ہو۔اتنی دیر سے تم نے ایک بھی سگریٹ نہیں پیش کیا۔“

انور نے سگریٹ کا ڈبّہ دراز سے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

”ہاں تو پھر کیا ہوا۔۔۔۔؟“

”کچھ نہیں۔۔۔۔ ان کے پاس سے کوئی بھی قابلِ اعتراض چیز بر آمد نہیں ہوئی۔“ آصف سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

”ہوں۔۔۔۔!“ انور کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”تو تم نے ان کا پیچھا چھوڑ دیا۔“

”نہیں ایسا تو نہیں۔ ہماری نظریں اب بھی ان پر ہیں۔ لیکن اب ہم سارا زور البرانو کا پتہ لگانے میں صرف کر رہے ہیں۔“

”آخر کیوں؟“ انور اسے گھور کر بولا۔ ”کیا ڈان ونسنٹ نے اس کے خلاف کوئی بیان دیا ہے۔“

”ہاں۔۔۔۔!“

”کیا۔۔۔۔؟“

”یہی کہ لندن میں اُس کا جھگڑا چند پُرتگالیوں سے ہو گیا تھا اور وہ اُن کے جان کے دُشمن ہو گئے تھے۔ڈان ونسنٹ کا خیال ہے کہ البرانو انہیں میں سے ہے اور اُس

کے ساتھیوں کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اس کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کل والی لاش کا تعلّق البرانو ہی سے ہے۔"

"وہ کیسے۔۔۔۔!"

"ڈان ونسنٹ کہتا ہے کہ شاید اس نے میرے ساتھی کے دھوکے میں کسی اور آدمی کو مار ڈالا ہے۔"

"بات تو کُچھ قاعدے کی معلوم ہوتی ہے۔" انور نے کہا۔

"اور ان دونوں کا اس طرح غائب ہو جانا بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ وہ مجرم ہے۔" آصف دوسرا سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

"کیوں۔۔۔۔؟"

"ان کا طریقہ کار کُچھ عجیب سا ہے۔ اگر وہ واقعی مجرم ہیں تو ایسے مجرم آج تک میری نظروں سے نہیں گزرے۔"

”کیا تم داراب کو بھول گئے؟“ آصف نے کہا۔

”ٹھیک ہے لیکن داراب نے بھی کبھی بھرے مجمعے میں کسی پولیس انسپکٹر کی ٹانگ کھینچنے کی ہمّت نہیں کی۔“

”اوہ تو کیا یہ حرکت البرانو نے کی تھی؟“

”نہیں اس کے ساتھی نے۔“

”کس کی ٹانگ پکڑی تھی۔“

”بہت اچھّے۔“ انور طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

”آخر بتادینے میں کیا حرج ہے؟“

”میں غیر ضروری باتیں کرنا پسند نہیں کرتا۔“ انور نے قلم اٹھا کر کُچھ لکھنا شروع کر دیا۔

”شاید تم اس کیس میں دلچسپی نہیں لے رہے ہو۔“

”قطعی نہیں۔“

آصف تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی بے تکی ہانکنے کے بعد چلا گیا۔

انور رشیدہ کا انتظار کرنے لگا۔ وہ صُبح سے غائب تھی اور ابھی تک آفس بھی نہیں آئی تھی۔ یہ پہلا اتّفاق تھا کہ وہ انور کو بتائے بغیر اتنی دیر کے لیے غائب ہو گئی تھی۔ دونوں تقریباً دو ڈھائی سال سے ایک ساتھ رہتے آئے تھے اور ایک دوسرے کے عادات واطوار سے اچھّی طرح واقف تھے لیکن رشیدہ کا آج کا رویّہ انور کو اُلجھن میں ڈالے ہوئے تھا۔ وہ پچھلی رات سے ہی کُچھ بے چین سی نظر آ رہی تھی۔ انور اسے رائفل کلب والے مُقابلہ میں لے گیا تھا اور رات ہی سے اس نے اس کی بے چینی محسوس کرلی تھی۔ لیکن رشیدہ نے کافی استفسار کے باوجود بھی اس کی وجہ نہیں بتائی تھی۔

گھڑی نے بارہ بجائے اور انور سارا کام چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ رشیدہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ اس نے موٹر سائیکل اٹھائی اور گھر کی طرف روانہ ہو

گیا۔

رشیدہ کے فلیٹ کا دروازہ باہر سے بند نہیں تھا۔ انور نے اطمینان کا سانس لیا۔

دوسرے لمحے میں وہ دروازے پر ہولے ہولے دستک دے رہا تھا۔ دروازہ کھلا۔ رشیدہ سامنے کھڑی تھی لیکن خلافِ توقّع اس نے انور کا استقبال مُسکراہٹ سے نہیں کیا۔ اس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی اور آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے نظر آرہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ساری رات جاگتی رہی ہو۔

"رشو۔۔۔۔!" انور تحیّر آمیز انداز میں بولا۔

رشیدہ خاموش رہی۔

"تم کہاں تھی؟"

رشیدہ تھوڑی دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔ "ابھی نہیں

بتا سکتی۔"

"کیوں؟ کیا کوئی خاص بات ہے۔۔۔۔؟"

رشیدہ نے سر ہلا دیا۔

"آخر کیا۔۔۔۔؟"

"کہہ تو دیا کہ ابھی نہیں بتا سکتی۔ ہو سکتا ہے کہ میرے اندیشے محض وہم ہوں۔"

"پھر تم نے پہیلی بجھوادی۔"

"میں تمہیں سب کُچھ بتادوں گی مگر ابھی نہیں۔"

"اور اس وقت تک اُلجھن میرا خاتمہ کر دے گی۔"

"اوہو۔۔۔۔!" رشیدہ کے ہونٹوں پر ایک بے جان سی مُسکراہٹ پھیل گئی۔
"تمہیں میری اتنی پرواہ کب سے ہو گئی؟"

"جب تم ہنستی ہو تو مُجھے ذرّہ برابر بھی تمہاری پرواہ نہیں ہوتی۔ لیکن جب اداس

ہوتی ہو تو میرا دِل ڈوبنے لگتا ہے۔“

”تُم آج آدمیوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔“ رشیدہ پھر مُسکرائی۔

”رشو۔۔۔۔ نہ جانے کیوں میں آج تم سے لڑنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

”کیوں۔۔۔۔؟“ رشیدہ اسے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگی۔

”یہیں تو میں نہیں جانتا۔“

رشیدہ اسے بدستور گھورتی رہی۔

”تم رات سے پریشان نظر آرہی ہو۔“ انور پھر بولا۔ ”آخر کیوں؟“

”میری طبیعت رات سے ٹھیک نہیں ہے۔“

”خیر اب تم مُجھے بہلانے کی کوشش کر رہی ہو۔“

”چلو یہی سمجھ لو۔۔۔۔“ رشیدہ نے بے دلی سے کہا اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

انور تھوڑی دیر تک کھڑا سوچتا رہا پھر اپنے کمرے میں چلا آیا۔

رشیدہ کا یہ عجیب و غریب رویّہ اس کی سمجھ میں نہیں آ سکا۔ انور خیالات میں ڈوبا ہوا ٹیلی فون کا ڈائل گھمانے لگا۔ پھر ماؤتھ پیس میں آہستہ آہستہ کُچھ بڑبڑانے کے بعد بولا۔ "ہیلو۔۔۔۔ میں انور بول رہا ہوں۔۔۔۔ ذرا جگدیش صاحب کو فون پر بلا دیجیے۔" اس نے ریسیور میز پر رکھ کر ایک سگریٹ سلگایا اور دھوئیں کا گنجان بادل چھوڑتا ہوا پھر ریسیور کی طرف متوجّہ ہو گیا۔ "ہیلو۔۔۔۔ جگدیش صاحب۔۔۔۔ اوہ۔۔۔۔ مُجھے افسوس ہے۔۔۔۔ لیکن میں نے آپ کا نام تو نہیں دیا۔ آپ کے علاوہ وہاں اور بھی کئی پولیس انسپکٹر موجود تھے۔۔۔۔ اور پھر اس طرح میں نے وہ کام کیا ہے کہ آپ کو اس کا فائدہ بھی معلوم ہو گا۔۔۔۔ نہیں سمجھے؟ اچھّا تو سمجھیے۔۔۔۔ میں نے یہ نہیں لکھا کہ ٹانگ کھینچے والا البرانو کا ساتھی تھا۔۔۔۔ اس سے وہ دونوں اس بات پر مطمئن ہو جائیں گے کہ پولیس ان کی طرف زیادہ دھیان نہ دے گی اور آپ اپنا کام کر گزریں گے۔۔۔۔ ہاں ہاں۔۔۔۔ لیکن اگر میری نیّت میں فتور ہوتا تو میں حجّام والے واقعے کو سب سے

پہلے لکھتا لیکن میں نے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔۔۔۔ خیر ہاں تو البر انو اور اس کے ساتھی کا کیا رہا۔۔۔۔ اوہ۔۔۔۔ ابھی تک لا پتہ ہیں۔۔۔۔ خیر اچھّا شکریہ۔"

انور نے ریسیور رکھ دیا۔

سارا دِن اسی اُلجھن میں گزر گیا کہ رشیدہ کی حالت میں غیر متوقّع تبدیلی کا کیا باعث ہے وہ اپنے کمرے ہی میں رہی۔ انور نے کئی بار اس سے ملنا چاہا لیکن دروازہ نہ کھلا۔ رات کو تقریباً آٹھ بجے وہ باہر نکلی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سفری بیگ تھا اس نے انور کے دروازے پر دستک دی۔

دوسرے لمحے میں انور دروازے میں کھڑا اسے حیرت سے گھور رہا تھا۔

"یہ کیا خبط ہے؟"

"میں باہر جا رہی ہوں۔"

"آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے۔"

”میں ایک بہت بڑے خطرے کی بُو سونگھ رہی ہوں۔“ وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

”رشو میں کان اُکھاڑ لوں گا۔“ انور نے کہا لیکن رشیدہ پر اس جملے کا کوئی اثر نہ ہوا۔

انور سمجھا تھا کہ وہ پھر اپنے پرانے موڈ میں آ جائے گی مگر اس کے چہرے کی زردی میں کسی قسم کا تغیّر نہ ہوا۔

”او بابا تم کُچھ بتاؤنا۔۔۔؟“ انور چِڑ کر بولا۔

”وقت نہیں ہے۔ میں جلد ہی واپس آ جاؤں گی۔ ہو سکتا ہے کہ سب وہم ہو۔ لیکن مُجھے احتیاط برتنی پڑے گی۔ میں تمہیں سب کُچھ بتاؤں گی۔۔۔ مگر۔۔۔!“

بارجے میں قدموں کی آہٹ سُنائی دی۔ رشیدہ چونک کر مُڑی۔ آنے والا رُک گیا۔ وہ اندھیرے میں تھا اور رشیدہ کے چہرے پر انور کے کمرے کی روشنی پڑ رہی

تھی۔

"کون ہے؟" انور نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"سینورارومولی۔۔۔!" ایک تیز قسم کی آواز سُنائی دی اور رشیدہ لڑکھڑا کر انور کے بازوؤں میں آرہی۔ وہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔

"انور۔۔۔ جلدی۔۔۔ انور۔۔۔!" وہ اٹک اٹک کر بولی۔ انور نے اسے کمرے کے اندر کھینچ کر ایک صوفے پر ڈال دیا اور خود دروازے پر جم گیا۔

"تم کون ہو۔۔۔؟"

آنے والا اندھیرے سے روشنی میں آگیا۔ یہ ایک پستہ قد مگر مضبُوط جسم کا آدمی تھا۔ انور اس کی رنگت دیکھ کر بے اختیار چونک پڑا۔ تانبے جیسا سُرخی مائل رنگ مگر وہ ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں میں سے نہیں تھا۔ انور کو ان سب کی صورتیں بخوبی یاد تھیں۔

"دوست۔۔۔!" اس نے آہستہ سے انگریزی میں کہا۔

"یعنی۔۔۔۔؟" انور نے سوالیہ انداز میں کہا۔ اس کے لہجے میں سختی تھی۔

"مُجھے اندر آنے دو میں خود کو محفوظ نہیں سمجھتا۔" اس نے کہا اور کمرے میں گھُس کر دروازہ بند کر لیا۔ یہ سب اتنی جلدی ہوا کہ انور کو کُچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کا ہاتھ میز پر پڑے ہوئے چاقو پر تھا۔

"جہاں کھڑے ہو وہاں سے آگے بڑھنے کی جرأت نہ کرنا۔" انور تیز لہجے میں بولا۔ "میرا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوا۔"

اجنبی نے مُسکرا کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

"سینورارومولی۔۔۔۔!" وہ پھر آہستہ سے بولا۔

رشیدہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی اور اجنبی کو اس طرح گھور رہی تھی جیسے اسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

"تُم کون ہوں؟" انور پھر گرجا۔

”دوست۔۔۔۔ میں دوست ہوں۔۔ ابھی سینورا خود بتائے گی۔“ اس نے اپنے چہرے پر لگی ہوئی گھنی مونچھیں اُتار دیں۔

”ڈیگاریکا۔۔۔۔!“ رشیدہ آہستہ سے بولی اور تیزی سے اس کے قریب آگئی۔ انور کے ہاتھ سے چاقو چھوٹ گیا۔

اجنبی رشیدہ کے سامنے دو زانو ہو گیا۔ انور کی حیرت اپنی انتہائی منزلیں طے کر رہی تھی۔ ان دونوں نے ایک ایسی زبان میں گفتگو کر دی جس کا ایک لفظ بھی انور کی سمجھ میں نہ آ سکا۔ رشیدہ پہلے تو ہنس ہنس کر باتیں کرتی رہی پھر اچانک خوفزدہ نظر آنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد وہ انور کی طرف مُڑی۔

”انور اب تمہیں بہت جلد میرا راز معلوم ہو جائے گا لیکن ہم اس وقت جلدی میں ہیں۔ میں اس وقت جا رہی ہوں کل کسی وقت تمہیں میرا ٹھکانہ معلوم ہو جائے گا۔“

انور نے کُچھ کہنے کی کوشش کی لیکن اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔

رشیدہ اور وہ اجنبی دروازہ کھول کر باہر نکل گئے اور پھر اچانک ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کوئی بہت وزنی چیز بارجے پر گر پڑی ہو۔ انور جھپٹ کر باہر نکلا لیکن دوسرے لمحے میں اس کی کنپٹی کے قریب بجلی سی چمکی اور وہ تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

نہ جانے کتنی دیر بعد وہ اندھیروں کے تانے بانے سے آزاد ہو سکا۔ کنپٹی بُری طرح دُکھ رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کیے اپنے سر پر ہاتھ پھیرنے کا ارادہ کیا لیکن اچانک اس کا ذہن جاگ اٹھا اور کُچھ دیر قبل پیش آئے ہوئے واقعات آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ اس نے رشیدہ اور پُراسرار اجنبی کو باہر جاتے دیکھا تھا پھر ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کسی پر اچانک حملہ کیا گیا ہو۔ وہ پھُرتی سے باہر نکلا تھا اور شاید وہ کسی کا مُکّا ہی تھا جس نے اس کے سر کی ہڈّیاں تک ہلا دی تھیں۔

انور نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ وہ اپنے ہی کمرے میں تھا لیکن اسے پھر آنکھیں بند کر لینی پڑیں اور وہ سوچنے لگا کہ وہ خواب تو نہیں دیکھ رہا ہے۔ بُوڑھا البرانو ایک صوفے پر بیٹھا ٹیبل لیمپ کی روشنی میں کوئی کتاب پڑھ رہا

تھا۔

انور کا سر چکرانے لگا۔ آخر یہ بُوڑھا آدمی ہے یا بھوت! لیکن اس کی موجودگی کا مطلب؟ کیا اسی نے اس پر حملہ کر کے بے ہوش کر دیا تھا؟ انور کا ذہن تیزی سے سوچنے لگا۔ رشیدہ اسی لیے خائف تھی وہ پُراسرار اجنبی کون تھا جسے دیکھ کر پہلے تو وہ بُری طرح خائف ہو گئی تھی لیکن پھر اس انداز میں گفتگو کرنے لگی تھی جیسے اسے برسوں سے جانتی تھی؟ رنگت کے اعتبار سے وہ بھی ڈان ونسنٹ ہی کا ہم وطن معلوم ہوتا تھا لیکن رشیدہ اسپینی زبان کیا جانے؟ وہ اس طرح اسپینی زبان میں گفتگو کر رہی تھی جیسے وہ اس کی مادری زبان ہو۔ اس کا ذہن پھر البرانو کی طرف گیا تو کیا سچ مچ البرانو ہی اس غیر ملکی کا قاتل تھا مگر کیوں؟ کیا اس وقت اس نے رشیدہ اور اس اجنبی کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی تھی اور تو کیا، اس نے رشیدہ کو قتل کر دیا ہو گا؟ رشیدہ کو۔۔۔۔!

انور کے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں اس نے پھر آنکھیں کھولیں۔ البرانو بدستور کتاب میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کے ہونٹوں میں ایک موٹا سا سگار تھا جو شاید

بُجھ چُکا تھا۔ انور لیٹے لیٹے اُچھلا اور یک لخت البرانو پر جا پڑا۔ بُوڑھا اس اچانک حملے کے لیے تیّار نہیں تھا۔ لیکن وہ پھر بھی سنبھل گیا۔ دوسرے لمحے میں اس کی فولادی انگلیاں انور کی کلائیوں میں بُری طرح چُبھ رہی تھیں۔ بُوڑھے کی نشست میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے انور کو اپنی ٹانگوں میں جکڑ لیا اور اب وہ اس کا سر اپنے ہاتھ میں لیے اس طرح اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی چھ ماہ کا شیر خوار بچّہ ہو۔

"شور مچانے کی ضرورت نہیں۔" وہ آہستہ سے انگریزی میں بولا۔

انور پر سکتہ سا ہو گیا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اب زندگی بھر اس کی ٹانگوں کی گرفت سے آزاد نہ ہو سکے گا۔

"البرانو تمہارا دُشمن نہیں۔" وہ پھر بولا۔ "اگر وہ دُشمن ہوتا تو یہاں ٹھہرتا ہی کیوں؟ تم کوئی احمقانہ حرکت نہیں کروگے۔"

البرانو نے گرفت ڈھیلی کر دی اور انور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ

رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ البرانو کی حالت میں کسی قسم کا کوئی تغیّر واقع نہیں ہوا تھا۔ وہ بدستور پہلے کی طرح پُر سکون نظر آرہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی لیکن آنکھیں جذبات سے عاری اور سرد تھیں۔ انور کے سارے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ البرانو نے سامنے والی کُرسی کی طرف اشارہ کیا۔ انور خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اس کی نظریں البرانو کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"میں جانتا ہوں تم جو کُچھ سوچ رہے ہو۔" البرانو بولا۔

"کیا۔۔۔؟" انور نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"یہی کہ کاش اس وقت تمہارا دوست انسپکٹر آصف یہاں آجاتا۔"

انور بے اختیار چونک پڑا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ آخر البرانو سے اس کا کیا تعلّق اور وہ اس کے بارے میں اتنی معلومات کیسے رکھتا ہے؟

"تمہیں یہاں میری موجودگی پر حیرت ہو رہی ہے۔" البرانو پھر مُسکرایا۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو؟" دفعتاً انور اٹھ کر چیخا۔

”صبر۔۔۔۔ صبر۔۔۔۔!“ البرانو نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ”اگر میں موقع پر نہ پہنچ جاتا تو تم کہیں اور ہوتے۔“

”وہ لڑکی کہاں گئی؟“ انور بے صبری سے بولا۔

”یہ ابھی نہیں بتایا جاسکتا۔ میں خود نہیں جانتا۔ لیکن وہ خود نہیں گئی زبردستی لے جائی گئی ہے۔“

انور پھر اُسے گھورنے لگا۔

”دیکھو بُوڑھے، میں بہت خراب آدمی ہوں۔“ انور بولا۔

”وہ تو تمہاری صورت سے ظاہر ہے۔“

انور پھر جھلّا کر اٹھا۔

”دیکھو لڑکے! تم شاید اپنے ہاتھ پیر تڑوا کر ہی رہو گے۔“

”میں ڈان ونسنٹ نہیں ہوں۔“ انور طنزیہ انداز میں بولا۔

”میں تمہارا غرور توڑ دوں گا۔“

البرانو نے قہقہہ لگایا۔

”جلد بازی ٹھیک نہیں مسٹر انور۔“ وہ تھوڑی دیر بعد سنجیدگی سے بولا۔ ”مجُھے اِطّلاع ملی تھی کہ جرائم کی دُنیا میں تم ایک بہترین دماغ ہو لیکن شاید وہ محض افواہ تھی۔ تُم ایک معمولی آدمی سے بھی بدتر معلوم ہوتے ہو۔“

اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ انور نے اٹھنا چاہا۔

”ٹھہرو۔۔۔۔!“ البرانو اٹھتا ہوا بولا۔ ”شاید فون میرے لیے ہے۔“

اس نے ریسیور ہاتھ میں اٹھا لیا۔ ”ہیلو۔۔۔۔ ٹھیک۔۔۔۔ میں یہاں دس منٹ تک اور انتظار کروں گا۔۔۔۔ جلدی کرو۔“

اس نے ریسیور رکھ کر بُجھا ہوا سِگار سُلگایا اور دیوار سے لگی ہوئی ایک تصویر پر نظریں جما دیں۔ انور بُری طرح بوکھلایا تھا۔ نہ جانے وہ کیوں خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ اس کی ساری تیزی اور طراری رخصت ہو گئی تھی۔ وہ بُوڑھے

کی بے پناہ طاقت کا بھی اندازہ لگا چکا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ اس سے بھی زیادہ برق رفتار ہے۔

کسی نے دروازے پر دستک دی۔ انور نے پھر اٹھنا چاہا لیکن بُوڑھے کے ہاتھ میں اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور دیکھ کر ہمّت جواب دے گئی۔ بُوڑھا ریوالور کا رُخ انور کی طرف کیے ہوئے آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھلا لیکن وہ داہنے پٹ کی آڑ میں ہو گیا۔

آنے والا انسپکٹر آصف تھا۔ انور اسے اشارہ کرنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ دفعتاً اسے البرانو کی آنکھوں میں سفّاکی کی جھلک دکھائی دی اور ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں کی گردش کرنے کی صلاحیت یک لخت مفقود ہو گئی ہو اور اب وہ زندگی بھر اپنی آنکھیں اس کے چہرے پر سے نہ ہٹا سکے گا۔

”اوہو۔۔۔!“ آصف چہک کر بولا۔ ”کیا بُت بننے کی مشق کر رہے ہو؟“

اُس کے اِس جملے پر بھی انور کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی اور پھر آصف

بے خودی میں پیچھے کی طرف مُڑا۔ اس کا منہ پھیل گیا۔

"شش۔۔۔۔!" البرانو پُر سکون لہجے میں بولا۔ "شور نہیں۔۔۔۔ ورنہ یہ ریوالور تم سے زیادہ شور مچانا جانتا ہے۔"

آصف کے دونوں ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔

"بیٹھ جاؤ۔" وہ ایک کُرسی کی طرف اشارہ کر کے تحکمانہ لہجے میں بولا۔

آصف بیٹھ گیا۔ کبھی وہ انور کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی البرانو کی طرف۔

"مسٹر آصف کی جیب سے پستول نکال کر سامنے میز پر رکھ دو۔" البرانو نے انور سے کہا۔

انور نے تعمیل کی۔۔۔۔ لیکن میز کے قریب پہنچ کر وہ دفعتاً گھوم پڑا۔ البرانو کے ریوالور سے ایک شُعلہ نکلا اور انور کے ہاتھ میں دبا ہوا ریوالور اُچھل کر دور جا گرا۔

"میں اپنے ریوالور میں بے آواز کارتوس استعمال کرتا ہوں۔" البرانو مُسکرا کر

بولا۔ ”میں شور نہیں پسند کرتا۔“

انور گھبرا کر اپنے ہاتھ کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن البرانو کی گولی پستول کی نال پر پڑی تھی اور اس کا ہاتھ محفوظ تھا۔

”بیٹھ جاؤ۔“ البرانو کُرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”میں یہاں دوسری کال کا انتظار کر رہا ہوں مُجھے تم لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“

آصف متحیّرانہ انداز میں البرانو کو دیکھ رہا تھا۔ انور بے بسی سے بیٹھ گیا۔

”لیکن تُم۔۔۔۔ یعنی کہ تُم۔۔۔۔!“ آصف اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔

”اِس کمرے میں میری موجودگی کا سبب پوچھنا چاہتے ہو؟“ البرانو مسکرایا۔

آصف جواب طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”ڈان ونسنٹ کی حالت ابتر ہے۔“

”تو پھر اس سے کیا۔ وہ ایک مقابلے کے دوران زخمی ہوا تھا۔ سب سے پہلے اسی نے مُجھ پر جارحانہ حملہ کیا تھا۔ خیر ہو گا میں کسی قسم کی صفائی نہیں پیش کرنا چاہتا۔ مُجھے اطمینان ہے کہ جس وقت چاہوں گا یہاں سے چلا جاؤں گا۔ مُجھے صرف ڈان ونسنٹ کی موت کا انتظار ہے۔“

”یہ تم ایک سی آئی ڈی انسپکٹر کے سامنے کہہ رہے ہو۔“ آصف اسے گھور کر بولا۔

”میں تمہیں اچھّی طرح پہچانتا ہوں۔“ البرانو نے مُسکرا کر کہا۔

انسپکٹر آصف کو زندگی میں شاید ہی کبھی کوئی ایسا لمحہ آیا ہو جب کسی مجرم نے اس سے اس قسم کی گفتگو کی ہو۔ وہ انور سے بھی بوکھلایا ہوا نظر آنے لگا تھا۔

”لیکن تم یہاں سے نکل نہیں سکو گے۔“ آصف ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔

”میرا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔“ البرانو نے ریوالور کا رُخ آصف کی طرف پھیر دیا۔

”بیٹھ جاؤ۔۔۔۔!“ انور جھلاّ کر بولا۔ پھر البرانو سے کہنے لگا۔ ”اگر یہ صحیح ہے کہ تم اس جگہ ابھی قیام کرو گے تو میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں کہ۔۔۔۔!“

”بُری بات۔۔۔۔بُری بات۔“ البرانو اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”ذرا ذرا سی باتوں پر ناراض نہیں ہوا کرتے۔“

”لیکن یہاں اِس وقت اُس کی موجودگی کا مطلب؟“ آصف نے انور سے پوچھا۔

”اِن لوگوں نے رشیدہ کو اغوا کر لیا ہے۔“ انور دانت پیس کر بولا۔

”یہ بکواس ہے۔“ البرانو نے تلخ لہجے میں کہا۔

”پھر وہ کہاں گئی؟“

”کہہ تو دیا کہ میں نہیں جانتا۔“

”مُجھ پر کس نے حملہ کیا تھا۔“

”میں یہ نہیں بتا سکتا۔“

”اس طرح تم ایک بہت بڑے جرم کے مرتکب ہو رہے ہو۔“ آصف نے کہا۔

”جرائم تو میری جیب میں پڑے رہتے ہیں۔“ البرانو لاپرواہی سے بولا۔

اِتنے میں پھر ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ البرانو نے بڑھ کر ریسیور اُٹھالیا لیکن ریوالور کا رُخ ابھی تک آصف اور انور ہی کی طرف تھا۔

”ہیلو۔۔۔!“ وہ ماؤتھ پیس میں بولا۔ ”تُم بہت دیر کر رہے ہو۔ کہو کیا رہا۔۔۔ وہ ٹھیک ہے مگر مرنے کی اُمّید تو نہیں۔۔۔ ٹھیک بہت اچھّا۔۔۔ تم وہیں ٹھہرو۔۔۔ میں ابھی آتا ہوں۔“

البرانو ریسیور رکھ کر ان کی طرف مُڑا۔

”اچھّا دوستو! شب بخیر۔ تُم دونوں دیوار کی طرف مُنہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔ چلو جلدی کرو۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔ ضرورت پڑنے پر میں قتل بھی کر سکتا ہوں ٹھیک۔۔۔ ہاں اسی طرح کھڑے رہو۔“

البرانو نے کمرے سے نکل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا اور پھر بارجے میں پھیلی

ہوئی تاریکی میں اس کے قدموں کی چاپ سُنائی دیتی رہی۔

آصف دروازے کی طرف جھپٹا۔

"بیکار ہے۔" انور مُردہ دِلی سے بولا۔ "باہر سے دروازہ بند کر گیا ہے۔"

"بہرحال اس وقت بڑی بے عزّتی ہوئی۔" آصف نے پریشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

"ابھی اِس سے بھی زیادہ بے عزّتی ہونی باقی ہے۔" انور خشک لہجے میں بولا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"اس کمرے سے نکلنے کے لیے شور مچا کر نچلی منزل والوں کو بلانا پڑے گا۔"

یہ سُن کر آصف سنّاٹے میں آگیا کم از کم اس عمارت کے لوگ اسے اچھّی طرح جانتے تھے۔

"چیخو بھئی چیخو۔" انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "ورنہ رات تمھیں یہیں بسر کرنی

پڑے گی۔"

"یار یہ تو بڑا بُرا ہوا۔"

"میں اِس کم بخت سے سمجھ لوں گا۔" انور بھنّا کر بولا۔

"وہ تو بعد کی باتیں ہیں۔۔۔۔ اس وقت کیا کیا جائے؟ اگر چیخ چیخ کر لوگوں کو بلاتے ہیں تو خواہ مخواہ احمق بننا پڑے گا۔"

"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔"

"رشیدہ کا کیا قصّہ ہے۔" آصف نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"خود میں ہی نہیں سمجھ سکا تمہیں کیا بتاؤں گا۔" انور نے کہا۔ "لیکن اس وقت تم کیسے آ گئے۔"

"اِدھر سے گزر رہا تھا سوچا تم سے ملتا چلوں۔"

اِتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔

”کون۔۔۔۔؟“

”چائے والا۔۔۔۔!“ باہر سے آواز آئی اور آصف کا چہرہ چمک اُٹھا۔

”باہر سے بند ہے کھول لو بھئی۔“ آصف پُر مسرّت لہجے میں بولا۔

دروازہ کھُلا اور قریب کے ہوٹل کا ایک لڑکا ٹرے میں چائے لیے ہوئے داخل ہوا۔

”تم سے چائے کے لیے کس نے کہا تھا؟“ انور اٹھتا ہوا بولا۔

لڑکا سہم گیا۔

”ایک صاحب نے۔“

”کون تھا۔۔۔۔؟“

”میں پہچانتا نہیں لیکن انہوں نے آپ کا پتہ بتایا تھا۔“

”اس کا حُلیہ۔۔۔۔؟“ آصف نے پوچھا۔

”بُوڑھے تھے، داڑھی تھی۔ ہرے رنگ کا سوٹ پہنے ہوئے تھے۔“

انور آصف کی طرف دیکھنے لگا۔

”کیا اس نے تمھیں سے کہا تھا؟“ انور نے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔۔ منیجر صاحب سے میں قریب ہی کھڑا تھا۔“

”کیا تم انگریزی سمجھ لیتے ہو۔“

”نہیں منیجر صاحب نے مُجھے بتایا تھا، وہ صاحب چائے کے پیسے بھی دے گئے ہیں۔“

”اچھّا۔۔۔۔ اچھّا تھوڑی دیر بعد برتن لے جانا۔“ انور نے کہا۔

لڑکا چلا گیا۔

”یار اِس بُوڑھے نے سچ مچ دماغ خراب کر دیا ہے۔“ آصف کُچھ سوچتا ہوا بولا۔

”میں نے بڑے بڑے مجرموں کا سامنا کیا ہے۔۔۔۔ لیکن یہ بُوڑھا۔۔۔۔“ انور

سگریٹ سلگاتے سلگاتے کُچھ سوچنے لگا۔

"کیوں۔۔۔۔؟ کیا بات ہے؟"

"کُچھ نہیں! رشیدہ کا معاملہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"آخر بات کیا ہے؟" آصف نے پوچھا۔

"ٹھہرو۔۔۔۔!" انور اُٹھتا ہوا بولا۔ "بُوڑھا ہمیں مُستقل طور پر بیوقوف بنائے جا رہا ہے۔ کیا تم چائے پیوٴ گے؟ عجیب احمق ہو۔ اٹھو جلدی کرو۔"

آصف کھڑا ہو گیا۔ دونوں باہر نکلے۔ آصف اس کے کہنے پر عمل تو کر رہا تھا لیکن بے دِلی سے۔ اس نے کئی بار انور سے کُچھ پوچھنا چاہا لیکن انور جلدی میں تھا۔ اُس نے نیچے آکر گیراج سے موٹر سائیکل نکالی اور دونوں اس پر بیٹھ کر ایک طرف روانہ ہو گئے۔

"کہاں چلو گے؟" آصف نے پوچھا۔

”ٹیلی فون ایکسچینج۔۔۔۔!“

”کیوں۔۔۔۔؟“

”البرانو کی دوسری کال ٹھیک دس بج کر پانچ منٹ پر آئی تھی۔ ہمیں یہ معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کہاں سے آئی تھی۔“

”معلوم تو ہو جائے گا۔“ آصف نے کہا۔ ”لیکن بُوڑھا بہت چالاک ہے۔“

”کیا مطلب۔۔۔۔؟“

”وہ اِس قسم کی غَلَطی نہیں کر سکتا جس سے پکڑے جانے کا امکان پیدا ہو سکے۔“

”خیر دیکھا جائے گا۔ تم اندر جا کر پتہ لگاؤ۔ میرا فون نمبر تو جانتے ہی ہو۔“ انور نے کہا۔

ٹیلی فون ایکسچینج کے قریب پہنچ کر انور نے موٹر سائیکل روک دی اور آصف اتر کر عمارت میں داخل ہوا۔

انور فٹ پاتھ پر اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ رشیدہ کے متعلّق آصف کو بتائے یا نہ بتائے۔ خود رشیدہ کے رویّے نے اُسے اُلجھن میں ڈال دیا تھا۔ وہ کون سی ایسی بات تھی جس کے لیے رشیدہ اتنی رازداری سے کام لے رہی تھی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس پُر اسرار اجنبی کے ساتھ اپنی خُوشی سے گئی تھی اور پھر اس کے بعد کے واقعات نے معاملے کو اور بھی اُلجھا دیا تھا۔

آنے والا ڈان ونسنٹ ہی کا ہم وطن معلوم ہوتا تھا اور ڈان ونسنٹ کے بیان کے مطابق پُرتگالی بُوڑھا البرانو اس کا دُشمن تھا۔ لیکن وہ اجنبی ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں میں سے نہیں تھا۔ انور کو ان کی شکلیں اچھّی طرح یاد تھیں۔ پھر وہ کون تھا؟ انور سوچنے لگا۔ کہاں سے آیا تھا؟ ان پانچ غیر ملکیوں کے علاوہ سفارتخانے میں کسی اور کا کوئی ریکارڈ نہیں تھا۔ پھر وہ مقتول کون تھا۔۔۔؟ اور وہ اجنبی۔۔۔؟

انور کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کے دماغ میں رگیں پھٹ جائیں گی۔

تھوڑی دیر میں آصف مدھم سُروں میں سیٹی بجاتا ہوا عمارت سے نکلا۔

"میرا خیال عموماً غَلَط نہیں ہوتا۔" اس نے کہا۔

"کیا ہوا۔۔۔؟"

"دس بج کر پانچ منٹ پر تمہارے فون کی کال دولت گنج پبلک ٹیلی فون پوسٹ سے ہوئی تھی۔"

"اوہ۔۔۔!" انور مایوسانہ انداز میں بولا۔ "تب تو بے کار ہے۔ وہاں سے کیا معلوم ہو سکے گا۔"

"تُم نے رشیدہ کے متعلّق کُچھ نہیں بتایا۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"تمہیں کیا بتا سکتا ہوں جبکہ خود مُجھے ابھی تک کُچھ نہیں معلوم۔"

"لیکن ابھی تھوڑی دیر قبل تم البرانو پر اس کے اغواء کا الزام لگا رہے تھے۔"

آصف نے کہا۔

”بھئی معاملہ کُچھ عجیب سا ہے۔ رشیدہ کہیں باہر جانے کے لیے تیّار تھی۔ میں اس کے ساتھ باہر نکلا تھا کہ کسی نے اچانک مُجھ پر حملہ کر دیا جب مُجھے ہوش آیا تو دیکھا کہ میں پلنگ پر پڑا ہوں اور البرانو کمرے میں بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا ہے۔“

”اور رشیدہ۔۔۔۔!“

”میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں گئی۔“

”وہ کہاں جانے کے لیے تیّار تھی۔“

”اس نے بتایا نہیں تھا۔“

”عجیب بات ہے۔“ آصف نے کہا اور انور کو گھورنے لگا۔

انور نے ایک سگریٹ سلگائی اور دو تین گہرے گہرے کش لینے کے بعد بولا۔

”سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ البرانو کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ ابھی تک اس کی کوئی

حرکت سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ وہ ہمیں تنگ نہیں کرنا چاہتا!“

”کیوں؟ کیا وہ ابھی تک ہماری پوجا کر تا رہا ہے۔“ آصف نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”نہیں۔۔۔۔اگر وہ تنگ کرنا چاہتا۔۔۔۔تو ہم صُبح تک کمرے سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔“

”اونہہ ہو گا۔“ آصف گردن جھٹک کر بولا۔ ”ابھی مُجھ سے سروکار ہی کیا۔۔۔؟ جب کیس مُجھ تک پُہنچے گا اس وقت دیکھا جائے گا۔“

”جی ہاں۔۔۔۔ اس دِن تو وہ خود ہی ہاتھ باندھے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے گا۔“ انور تلخ لہجے میں بولا۔

”خیر۔۔۔۔ خیر۔۔۔۔میں ابھی اس پر رائے زنی کرنا غیر ضروری سمجھتا ہوں۔“ آصف نے مُسکرا کر کہا۔ ”اچھّا بھئی میں تو چلا۔۔۔۔بس آرہی ہے۔ اس کے بعد کوئی دوسری بس نہ مل سکے گی۔ شب بخیر۔“

آصف انور کی طرف ہاتھ ہلاتا ہوا بس پر چڑھ گیا۔

انور نے ختم ہوتی ہوئی سگریٹ سے دوسری سگریٹ سُلگائی اور خیالات میں ڈوبا ہوا کش پر کش لیتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ شاید زندگی میں پہلی بار اسے اتنی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ بُوڑھے البرانو کا تصوّر اس کے غُصّے کی آگ بھڑکا دینے کے لیے کافی تھا۔ اس نے تہیّہ کر لیا تھا کہ دوسری ملاقات پر وہ بے دریغ اپنا ریوالور استعمال کرے گا۔ خواہ بعد میں پھانسی ہی کیوں نہ ہو جائے۔

دفعتاً ایک ٹیکسی اس کے قریب سے گزری اور وہ بے اختیار اُچھل پڑا۔ البرانو کا نوجوان ساتھی پچھلی نشست پر بیٹھا پائپ پی رہا تھا۔ اس کے قریب سے گزرتے وقت ٹیکسی کی رفتار کم تھی۔ لیکن آگے جا کر اس کی رفتار تیز ہوتی ہوئی معلوم ہوئی۔ انور اچھل کر اپنی موٹر سائیکل کی سیٹ پر آ رہا۔ دوسرے لمحے موٹر سائیکل ٹیکسی کا تعاقب کر رہی تھی ٹیکسی شہر سے ایک ویران راستے پر ہولی۔ انور بدستور اس کا تعاقب کیے جا رہا تھا۔ انور کا ارادہ محض تعاقب کا تھا مگر پھر ایک خیال نے اسے اس ارادے سے باز رکھا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ البرانو

کے ساتھی کو یہیں روک کر پکڑ لیا جائے۔ ممکن ہے کہ منزل مقصود پر پہنچ کر البرانو سے بھی مُڈ بھیڑ ہو جائے ایسی صورت میں وہ تنہا کیا کر سکے گا۔

اس نے جیب سے ریوالور نکالا اور پے در پے فائر کرنے شروع کر دیئے۔ ٹیکسی رُک گئی۔ انور کو توقّع تھی کہ اُدھر سے بھی فائر ہوں گے مگر ایسا نہیں ہوا۔ اتنے میں اس کی موٹر سائیکل ٹیکسی کے برابر پہنچ گئی۔ ڈرائیور نیچے اتر آیا لیکن پچھلی سیٹ خالی تھی۔

"وہ ڈاکو کہاں گیا۔۔۔؟" انور گرج کر بولا۔

"ڈڈڈڈاکو۔۔۔!" ڈرائیور بوکھلائے ہوئے لہجے میں ہکلایا۔

"ہاں ڈاکو! میں پولیس کا آدمی ہوں۔"

ڈرائیور نے پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا اور "ارے" کہہ کر اُچھل پڑا۔

"یعنی۔۔۔ ککیا۔۔۔ ڈڈڈاکو۔۔۔ ارے ارے۔" ڈرائیور بری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔

”ہاں وہ کہاں گیا؟“

”یہیں تھا۔۔۔یہیں۔“ اس نے پچھلی سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

انور نے ابھی تک مشین بند نہیں کی تھی اور دونوں طرف زمین پر پیر ٹیکے موٹر سائیکل ہی پر بیٹھا ہوا تھا۔ دفعتاً کوئی چیز اس کی پیٹھ میں چُبھی۔

”خبر دار۔۔۔!“ پیچھے سے آواز آئی۔ ”اپنا ریوالور زمین پر ڈال دو۔“

ڈرائیور چیخ کر ٹیکسی میں گھُس گیا اور انور نے اپنا ریوالور زمین پر گرا دیا۔ البرانو کا ساتھی نہایت اطمینان سے اس کی موٹر سائیکل کیریئر پر بیٹھا اس کی کمر میں اپنے پستول کی نال چبھُو رہا تھا۔ اس نے جھُک کر انور کا ریوالور اٹھایا اور اپنی جیب میں ڈال لیا۔

”اب چلاؤ موٹر سائیکل۔۔۔!“ البرانو کا ساتھی اُکھڑی اُکھڑی انگریزی میں بولا۔

”ذرا برابر بھی میرے حکم کے خلاف کیا تو یہیں ختم کر دوں گا۔ سیدھے چلو۔“

موٹر سائیکل چل پڑی۔ انور بُری طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس کا دِل چاہ رہا تھا کہ موٹر سائیکل کسی درخت سے ٹکرا دے۔ ایسی شکست اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔

"داہنی طرف موڑ دو۔۔۔۔!" البرانو کا ساتھی تحکمانہ لہجے میں بولا۔

انور نے موٹر سائیکل موڑ دی۔ لیکن کُچھ دور جا کر خود بخود بڑبڑانے لگا۔ آخر ایسی بھی کیا بُزدلی۔ اس نے جھلّا کر مشین بند کر دی۔

"چلاؤ۔۔۔۔!" البرانو کا ساتھی چیخا۔

"نہیں۔۔۔۔!"

"میں شوٹ کر دوں گا۔"

"کر دو۔۔۔۔!"

"میں پھر سمجھاتا ہوں۔"

”نہیں سمجھتا۔۔۔۔ میں بُزدل نہیں۔“

ایک زخمی

اِن دونوں میں تکرار ہو رہی تھی کہ کسی طرف سے ایک فائر ہوا اور گولی البرانو کے ساتھی کے کان کے قریب سے گزر گئی۔

"بیوقوف آدمی بھاگو۔۔۔!" وہ انور کو دھکا دیتا ہوا بولا۔

دوسرا فائر ہوا اور اس نے انور کا ہاتھ پکڑ کر جھاڑیوں کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ اس بار انہیں وہ سمت معلوم ہو گئی تھی جِدھر سے فائر ہو رہے تھے۔

"یہ ڈان ونسنٹ کے ساتھی معلوم ہوتے ہیں۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر انور

سے بولا۔ "شکار کھیلو گے؟"

انور کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا جواب دے۔ اس نے سوچا مُمکن ہے پولیس کے آدمی ہوں اور اگر نہ بھی ہوں تو وہ خواہ مخواہ ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں سے کیوں اُلجھے۔

البرانو کا ساتھی اسے خاموش دیکھ کر بولا۔ "ہم بھاگ بھی سکتے ہیں مگر تمہاری موٹر سائیکل یہیں رہ جائے گی۔ اور اگر ان لوگوں نے اسے پولیس کے سامنے پیش کر دیا تو تم مُصیبت میں پھنس جاؤ گے۔"

انور جواب دینے ہی والا تھا کہ پھر فائر ہوا۔

"آدمی ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔" البرانو کا ساتھی بڑبڑایا۔

"تو پھر تم بھی فائر کیوں نہیں کرتے۔" انور نے کہا۔

"نہیں اسے یہی سمجھنے دو کہ ہمارے پاس پستول نہیں ہے۔"

”کیوں۔۔۔؟“

”میں اسے زندہ پکڑنا چاہتا ہوں۔ اس طرح وہ سامنے آ جائے گا۔“

”آخر تم لوگوں نے یہ کیا لغویت پھیلا رکھی ہے!“ انور بولا۔

”اِسے لغویت نہ کہو۔ وہ دِن دور نہیں جب تم ہماری شان میں قصیدے گاتے پھرو گے۔“

انور اُسے کُچھ کہنے ہی والا تھا کہ اس نے اسے چُپ کرا دیا۔

”شش۔۔۔ خاموش وہ موٹر سائیکل کی طرف آ رہا ہے۔“

موٹر سائیکل کے قریب کوئی کھڑا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

”جلدی کرو۔۔۔ ورنہ موٹر سائیکل گئی۔ وہ سمجھتا ہے کہ شاید ہم بھاگ گئے۔“

اس نے انور کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ حملہ آور موٹر سائیکل پر بیٹھنے ہی والا تھا کہ وہ اس پر ٹوٹ پڑا۔ دونوں گتھے ہوئے زمین پر آ رہے۔

”خُدا تم دونوں پر اپنی رحمت نازل کرے۔“ انور نے بُلند آواز میں کہا اور اچھل کر موٹر سائیکل پر بیٹھ گیا۔

البرانو کا ساتھی چیخنے لگا۔ مگر موٹر سائیکل اسٹارٹ ہو چکی تھی اور اب اونچی اونچی زمین پر اچھلتی کودتی آگے بڑھی جا رہی تھی۔ انور راستے کا تعین کیے بے تحاشہ بھاگ رہا تھا۔

کُچھ دور چلنے کے بعد اچانک پچھلے پہیے کا ٹائر ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا اور اُسے مجبوراً موٹر سائیکل روک دینا پڑی۔ مگر وہ خطرے کی بُو سونگھ چکا تھا۔ ٹائر خود بخود نہیں پھٹا تھا بلکہ اس پر کسی نے فائر کیا تھا۔ انور کود کر جھاڑیوں کی طرف بھاگنے لگا۔

”ٹھہرو۔۔۔۔!“ اسے پشت پر آواز سُنائی دی۔

انور نے پلٹ کر دیکھا ایک آدمی رائفل لیے کھڑا تھا۔ اندھیرے میں صورت تو نہیں دکھائی دی لیکن اس کے قد و قامت سے انور نے یہ اندازہ ضرور لگایا کہ وہ

اس سے پہلے بھی کہیں اسے دیکھ چکا ہے۔

دفعتاً اس کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی پڑی اور اجنبی نے قہقہہ لگایا۔

"تو یہ تم ہو۔" اجنبی نے انگریزی میں کہا اور انور نے اس کی آواز پہچان لی۔ یہ البرانو تھا۔

"تُم نے مُجھ پر گولی کیوں چِلاّئی؟" انور گرج کر بولا۔

"مُجھے غَلَط فہمی ہوئی تھی۔" البرانو نے آہستہ سے کہا اور اس کے قریب آ گیا۔

"لیکن تم اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"تُم سے مطلب۔۔۔۔!"

"میں تمہاری دلیری کے قصّے سُن چکا ہوں۔" البرانو ہنس کر بولا۔ "لیکن میرا ایک ہی گھونسہ تمہیں بہشت کی سیر کرا دے گا۔"

"میں نے بھی تمہارا خاتمہ کر دینے کا تہیّہ کر لیا ہے۔"

"بہت اچھّے۔" البرانو نے قہقہہ لگایا۔ پھر سنجید گی سے بولا۔ "مُمکن ہے تُم سچ کہتے ہو لیکن میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ موٹر سائیکل سنبھالو اور میرے ہمراہ چلو۔"

"نہیں جاؤں گا۔" انور جھلّا کر بولا۔

"چلو۔۔۔!" البرانو نے اس کے سینے پر نال رکھ دی۔

مجبوراً انور نے موٹر سائیکل اٹھائی اور اسے دھکیلتا ہوا البرانو کے ساتھ چلنے لگا۔

شکست پر شکست۔ انور بُری طرح جھلّایا ہوا تھا۔ البرانو کی شخصیت حد درجہ پُر اسرار ہوتی جارہی تھی۔ آخر وہ چاہتا کیا ہے؟ پھر اس کا ذہن البرانو کے ساتھی کی طرف مُنتقل ہو گیا۔ معلوم نہیں اس کا کیا انجام ہوا۔ بہت ممکن ہے کہ اس پر حملہ آور پولیس ہی کا کوئی آدمی رہا ہو۔ کیا البرانو اس سے واقف تھا؟ انور نے سوچا کہ اسے کُچھ دیر قبل والا واقعہ بتادے۔ مگر پھر ارادہ بدل گیا۔ آخر وہ اسے بتائے ہی کیوں؟

"کیا سوچ رہے ہو؟" البرانو تھوڑی دیر بعد بولا۔

”یہی کہ میرا اور تمہارا تعلّق ہے کیا؟ نہ جانے کیوں تم لوگ میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔ رشیدہ کو اغوا کرنے کا مطلب کیا تھا؟“

”تو ابھی تک یہ خیال تمہارے دِل سے نکلا نہیں۔“ البرانو نے کہا۔ ”خیر۔۔۔۔ خیر۔۔۔۔ابھی تمہیں سب کُچھ معلوم ہو جائے گا۔“

البرانو نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے راستہ طے کر رہا تھا۔ کئی کھائیاں اور نالے پھلانگنے کے بعد وہ ایک چھوٹے سے مکان کے قریب پہنچ کر رُک گیا۔

”اندر چلو۔۔۔۔!“ البرانو نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

انور نے موٹر سائیکل ایک طرف کھڑی کر دی۔ وہ اس مکان کی ساخت پر غور کر رہا تھا جس کی تعمیر کے سِلسِلے میں زیادہ تر لکڑی استعمال کی گئی تھی۔ قرب و جوار میں کُچھ اور بھی ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے دکھائی دیئے۔ لیکن وہ سب ویران معلوم ہوتے تھے۔ غالباً یہ جھونپڑے خانہ بدوشوں کے بنائے ہوئے تھے۔ جن میں وہ وقتاً فوقتاً قیام کرتے رہے ہوں گے۔ انور نے اس طرف کے خانہ بدوشوں

کے متعلّق بہت کُچھ سُن رکھا تھا۔ فصل کٹنے کے زمانے میں وہ اِن اطراف میں پھیل جاتے تھے دِن میں تو کھلیانوں میں محنت مزدوری کرتے اور رات کو چوریاں کرتے تھے۔

"دروازہ اِدھر ہے۔" البرانو نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

"تمہاری دعوت کروں گا۔" البرانو اسے دھکّا دیتے ہوئے بولا۔ انور بے تحاشہ پلٹ پڑا۔ البرانو کے ہاتھ سے رائفل گر گئی اور انور کا گھونسہ اس کی پیشانی پر پڑا۔

البرانو لڑکھڑا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ انور پھر جھپٹا لیکن اس بار البرانو نے بُری طرح اُس کی گردن پکڑ لی کہ اُسے دوسرے لمحے میں اپنی زندگی محال نظر آنے لگی۔

"احمق کہیں کے۔۔۔ گدھے۔" البرانو آہستہ سے بڑبڑایا اور انور کو دھکیل کر اندر کر دیا۔

اندر مٹّی کے تیل کا چراغ جل رہا تھا۔ جس کی مدھم روشنی میں لکڑی کے اس کمرے کی فضا حد درجہ پُراسرار معلوم ہو رہی تھی۔ سامنے نظر پڑتے ہی انور بے تحاشہ چونک پڑا۔ ایک چارپائی پر وہی اجنبی پڑا دکھائی دیا جس کے ساتھ رشیدہ کہیں جا رہی تھی۔ انور نے پلٹ کر البرانو کی طرف دیکھا جو معنی خیز انداز میں مُسکرا رہا تھا۔

"کیا تُم نے اسے مار ڈالا؟"

"نہیں۔۔۔۔ آہستہ بولو۔ وہ سو رہا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس کے سر میں پٹیاں بندھی ہوئی ہیں۔"

"وہ لڑکی کہاں ہے؟" انور نے بے ساختہ پوچھا۔

"اسے ڈان ونسنٹ کے آدمی لے گئے۔"

"کہاں۔۔۔۔؟"

"ابھی یہ نہیں معلوم۔"

"تُم جھوٹے ہو۔" انور گرج کر بولا۔

"تم پھر چیخنے لگے۔" البرانو نے تلخ لہجے میں کہا۔ "چلو باہر چلو۔"

دونوں باہر نکل آئے۔

تھوڑی دیر بعد ایک سایہ دکھائی دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بھاری وزن اٹھائے ہوئے ان کی طرف آرہا ہو۔ البرانو نے ٹارچ کی روشنی ڈالی اس کا ساتھی کسی کو پیٹھ پر لادے چلا آرہا تھا۔

"یہ کیا۔۔۔؟" البرانو نے پوچھا۔

"شکار۔۔۔!" اس نے اس آدمی کو زمین پر ڈالتے ہوئے کہا۔ البرانو کی ٹارچ بے ہوش آدمی کے چہرے کے گرد روشنی کا دائرہ بنا رہی تھی۔ انور نے پہلی ہی نظر میں اسے پہچان لیا۔ وہ ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں میں سے ایک تھا۔

"تم ہم سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتے۔" البرانو کے ساتھی نے انور کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

انور نے اس کے ہاتھ کو جھٹک دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے گال پر ایک تھپّڑ پڑا۔ انور نے بھی مُکّا تان لیا لیکن البرانو درمیان میں آ گیا۔ پھر اس نے اپنے ساتھی کو ڈانٹنا شروع کر دیا۔ پھر دونوں نے مل کر ڈان ونسنٹ کے ساتھی کو اٹھالیا اور کمرے میں لے آئے۔ البرانو نے اسے ایک لکڑی کے ستون کے سہارے کھڑا کیا۔ نیچے سے اوپر تک رسّی سے جکڑ دیا۔

"یہ تمہیں ملا کہاں۔۔۔؟" البرانو نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔

"یہیں جنگل میں۔۔۔! میں انور کو گرفتار کر کے یہاں لا رہا تھا کہ درمیان میں آ کودا۔"

"لیکن تم انور کو کیوں لا رہے تھے؟" البرانو بگڑ کر بولا۔

"اس نے میرا تعاقب کرنے کی کوشش کی تھی۔" اس نے کہا اور سارا واقعہ دہرایا۔

البرانو ہنسنے لگا۔

ڈان ونسنٹ کے ساتھی کو جلدی ہوش آ گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

”ہیلو کامریڈ۔۔۔!“ البرانو طنزیہ انداز میں بولا۔ ”ہمارے پیچھے لگنا آسان کام نہیں ہے۔“

ڈان ونسنٹ کا ساتھی خوفزدہ نظر آنے لگا۔

”رومولی کہاں ہے؟“ البرانو نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

”میں نہیں جانتا۔“

”تمہیں بتانا پڑے گا۔“

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی نظریں زخمی آدمی پر جمی ہوئی تھیں جو ابھی تک ہوش میں نہیں آیا تھا۔

”میں نہیں جانتا۔“ البرانو نے اس زور کا تھپّڑ اس کے گال رسید کیا کہ پانچوں

انگلیوں کے نشان بن گئے۔

"بتاؤ۔۔۔۔!"

"نہیں۔۔۔۔!"

اب کی اس کے ہونٹوں پر گھونسہ پڑااور مُنہ سے خون بہنے لگا۔

"بتاؤ کہاں ہے رومولی۔۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔۔!"

البرانو اپنے ساتھی کی طرف مُڑا۔

"آتش دان میں کوئلے دہکاؤ۔"

اس کا ساتھی کمرے سے چلا گیا۔ انور خاموش تھا۔ وہ البرانو کی اس حرکت کو اچھّی نظروں سے نہیں دیکھ رہا تھا۔ البرانو نے پھر اس کے مُنہ پر تھپّڑ مارا۔

"یہ طریقہ بزدلانہ ہے۔" انور بے اختیار بولا۔

”بکو مت۔۔۔۔!“ البرانو تلخ لہجے میں بولا۔ ”تم ان لوگوں سے واقف نہیں ہو۔۔۔۔ یہ اس قابل نہیں کہ ان کے ساتھ کوئی شریفانہ برتاؤ کیا جاسکے۔“

”تم نے آگ کیوں جلوائی ہے۔“ انور نے کہا۔

”ایک خاص الخاص نسخہ جو صرف انتہا پسند قسم کے مریضوں کے لیے ہے۔“ البرانو مُسکرا کر بولا۔

زخمی نے کراہ کر کروٹ بدلی اور یہ لوگ اس کی طرف متوجّہ ہو گئے۔ وہ آہستہ آہستہ ہوش میں آرہا تھا۔ اس کا مُنہ ڈان ونسنٹ کے ساتھی کی طرف تھا اور آنکھیں کھلتے ہی سب سے پہلے اس کی نظر اسی پر پڑی۔

”ڈی سالٹ۔۔۔۔!“ اس نے آہستہ سے کہا اور گڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ستون سے بندھے ہوئے آدمی کی آنکھوں سے نفرت جھانکنے لگی۔ پھر اس کی نظریں البرانو کے چہرے پر پڑیں اور وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”لیٹے رہو۔“ البرانو ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”تُم بُری طرح زخمی ہو گئے ہو۔ تمہیں آرام

کی ضرورت ہے۔“

”مگر۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔!“

”تمہیں ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں نے زخمی کر دیا۔ رومولی کو اپنے ساتھ لے گئے اور میں تمہیں یہاں اٹھالایا۔“

”رومولی کو لے گئے؟“ وہ مُضطربانہ انداز میں بولا۔ ”بہت بُرا ہوا بہت بُرا ہوا۔“

”لیکن تم اِسے کہاں لے جارہے تھے؟“ انور گرج کر بولا۔

”سینور۔۔۔۔!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”مُجھے اُمّید ہے کہ تم اب بھی ایک اچھّے دوست ثابت ہو گے۔“

انور متحیّرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”ڈیگاریکا۔“ البرانو نے آہستہ سے کہا۔ ”تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔“

”اوہ تم! میرا نام بھی جانتے ہو؟“ وہ متحیّرانہ انداز میں البرانو کی طرف مُڑا۔

”ڈان ونسنٹ کے دُشمنوں کو مُجھ سے زیادہ کون جانے گا۔“ البرانو مُسکرا کر بولا۔

”میں نے شمشیر زنی کے مُقابلے میں تمہارے کمالات دیکھے تھے۔“

”خیر یہ بعد کی باتیں ہیں۔“ البرانو سگار سلگاتا ہوا بولا۔ ”ہمیں سب سے پہلے رومولی کا پتہ لگانا ہے۔“

”لیکن کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ تم رومولی میں کیوں دلچسپی لے رہے ہو۔“ ڈیگاریکا نے متحیّرانہ لہجے میں پوچھا۔

”یہ کوئی خاص بات نہیں۔ مجُھے ہر اس ہستی سے ہمدردی ہے جس سے ڈان ونسنٹ دُشمنی رکھتا ہے۔“

”لیکن تم رومولی کی گرد کو بھی نہیں پاسکتے۔“ستون سے بندھے ہوئے آدمی نے بھرّائی ہوئی آواز میں میں کہا۔

البرانو کا ساتھی اسی کے قریب کھڑا تھا۔ اس کے مُنہ سے دوسرا جملہ نکلنے سے پہلے ہی اس نے اس کے مُنہ پر اُلٹا ہاتھ رسید کر دیا۔

”چُپ رہو خرگوش کے بچّے۔“ اس نے دوسرا تھپّڑ رسید کرتے ہوئے کہا۔

”کوئلے دہک گئے۔“ البرانو نے اس سے پوچھا۔ اس نے سر ہلا دیا۔

”ایک لوہے کی سلاخ آتشدان میں ڈال کر لاؤ۔۔۔۔“ البرانو نے کہا اور وہ باہر چلا گیا۔

ستون سے بندھا ہوا آدمی کانپنے لگا۔

”تو کیا۔۔۔۔ تم۔۔۔۔!“ ڈیگاریکا ہکلایا۔

”ہاں میں اِس کی چربی نکالوں گا لیکن اگر یہ ہمیں رومولی کا پتہ بتا دے گا تو ہم اسے چھوڑ دیں گے۔“

”ہرگز نہیں۔۔۔۔ ہرگز نہیں۔“ ستون سے بندھا ہوا آدمی خوفزدہ آواز میں چیخا۔

البرانو کُچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ اس کا ساتھی گھبرائے ہوئے انداز میں داخل ہوا۔

”کیا ہے۔۔۔۔؟“ البرانو نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”پولیس۔۔۔۔ محاصرہ کیا جارہا ہے۔“

”کدھر۔۔۔۔!“

”سامنے کی جھاڑیوں میں کُچھ آدمی دکھائی دیئے ہیں۔“

”اوہ۔۔۔۔ اچھّا۔۔۔۔!“ البرانو نے کہا اور ڈان ونسنٹ کے ساتھی کی کنپٹی پر ایک زوردار گھونسہ رسید کر دیا۔ اس کی گردن ایک طرف جھول گئی وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ البرانو اور اس کے ساتھی نے جلدی جلدی اُسے ستون سے کھول کر الگ کیا۔ انور متحیّرانہ انداز میں ان کی ساری کاروائیاں دیکھ رہا تھا اور خود اُلجھن میں مُبتلا تھا کہ اس کا کیا رویّہ ہونا چاہیے۔

”تُم اِدھر آؤ۔۔۔۔!“ البرانو نے اسے ستون کے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

”کیوں۔۔۔۔؟“

”جلدی کرو۔۔۔۔ورنہ تُم بھی مُصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ تمہاری موٹر سائیکل اِس قابل نہیں ہے کہ تم اسے کہیں لے جا سکو۔ اگر وہ پولیس کے ہاتھ لگ گئی تو سارا کام بگڑ جائے گا۔“

البرانو کے ساتھی نے اسے دھکیل کر ستون کے قریب کر دیا اور پھر دونوں مل کر اسے باندھنے لگے۔ اس سے فارغ ہو کر البرانو نے بے ہوش میکسیکن کو پیٹھ پر لاد لیا اور وہ دونوں ڈیگاریکا سمیت دوسری طرف سے باہر نکل گئے۔

انور کی عجیب حالت تھی۔ اس وقت نہ تو اسے غصّہ ہی تھا اور نہ رنج۔ کبھی اس کا دِل چاہتا کہ وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑے اور کبھی ہذیان بکنے کو دِل چاہتا تھا۔ بُوڑھے البرانو نے اس کی عقل خبط کر دی تھی۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ اسے اپنی پوزیشن کا احساس ہونے لگا۔ اگر البرانو واقعی رشیدہ کا دوست تھا تو اس وقت اس نے اسے ستون سے باندھ کر بڑی عقلمندی کا ثبوت دیا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو پولیس اس کے پیچھے پڑ جاتی اور یہ تو ظاہر ہی تھا کہ وہ موٹر سائیکل وہاں سے نہیں لے جا سکتا تھا۔ ایسی صورت میں پولیس یقیناً اسے تنگ کرتی۔ بیک وقت دو تین فائر ہوئے

اور گولیاں دیوار کے باہری حصّے سے ٹکرائیں۔ انور نے آنکھیں بند کر کے اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا۔

تھوڑی دیر بعد بہت سے قدموں کی آوازیں سُنائی دیں۔

"ارے۔۔۔!" جگدیش کی حیرت زدہ آواز انور نے پہچان لی۔ "یہ تو انور ہے۔"

پھر کسی نے اس کا سر ہلایا۔ انور نے اپنی گردن ایک طرف ڈھلکا دی۔

"بے ہوش ہے۔" کسی نے کہا۔

"لیکن وہ کہاں گئے؟"

"پیچھے چلو۔۔۔۔ پیچھے۔" کسی نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد کسی نے انور کو کھول کر زمین پر ڈال دیا۔ وہ بدستور بے ہوش بنا رہا۔

"نہ جانے کمبخت کدھر نکل گئے۔" جگدیش کی آواز آئی۔ "اچھّا اسے اٹھا کر لے چلو۔"

انور نے سوچا شاید انہوں نے اس کی موٹر سائیکل نہیں دیکھی لہٰذا اب اُسے ہوش میں آجانا چاہیے۔ ورنہ موٹر سائیکل یہیں رہ جائے گی۔

دوسری لاش

دو کانسٹیبل اِسے اُٹھانے کے لیے بڑھے ہی تھے کہ اس نے کراہ کر کروٹ بدلی۔

جگدیش اسے آوازیں دینے لگا۔

دفعتاً وہ بوکھلا کر اُٹھ بیٹھا اور آنکھیں مَل مَل کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

”ارے۔۔۔۔!“ وہ اُٹھ کر کپڑے جھاڑتا ہوا بولا۔ ”مگر میری۔۔۔۔!“

”تم یہاں کہاں۔۔۔۔؟“ جگدیش آگے بڑھ کر بولا۔

”تم نے میری موٹر سائیکل دیکھی ہے؟“ انور نے اس کا سوال نظر انداز کرتے

ہوئے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ تم یہاں کیسے پُہنچے۔“

”ایک لمبی داستان ہے۔۔۔۔“ انور نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم نے انہیں گرفتار کرلیا یا نہیں۔“

”نہیں وہ نِکل گئے۔“

”بہت بُرا ہوا۔۔۔۔ بہت بُرا ہوا۔“ انور مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا۔

”تم یہاں کس طرح پُہنچے۔“ جگدیش نے پھر سوال دہرایا۔

”تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ البرانو اور اس کے ساتھی رشیدہ کو پکڑ کر لے گئے۔“ انور نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اُس نے محسوس کیا کہ ان لوگوں کے ساتھ ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں میں سے بھی ایک موجود ہے۔

”اُس کے ساتھی۔۔۔۔؟“ جگدیش نے تحیّر آمیز انداز میں دہرایا۔ ”تو کیا وہ کئی

ہیں؟"

"میرا تو یہی خیال ہے کیونکہ میں نے یہاں تین آدمیوں کو دیکھا تھا۔ ان میں سے ایک زخمی تھا۔"

"تو کیا تمہیں بھی وہ لوگ پکڑ لائے تھے؟"

"نہیں۔" انور نے کہا اور پورا واقعہ دہرانے کے بعد بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں البرانو کے ساتھی کو حملہ آور سے لڑتے چھوڑ کر نکل بھاگا لیکن تھوڑی ہی دور گیا ہوں گا کہ کسی نے فائر کر کے موٹر سائیکل کا پچھلا پہیّہ بے کار کر دیا اور جب وہ قریب آیا تو میں نے اسے پہچانا۔ وہ البرانو تھا۔ میں نے جھلّا کر اس پر حملہ کر دیا۔ اس کے بعد کے واقعات مُجھے یاد نہیں۔"

"ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں میں سے کوئی دکھائی نہیں دیا۔" جگدیش نے کُچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔۔!" انور نے کہا۔ "مُجھے اپنی موٹر سائیکل تلاش کرنی چاہیے۔"

”موٹر سائیکل تلاش کرو۔“ جگدیش نے دو سپاہیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

”لیکن تم یہاں کس طرح پُہنچے؟“ انور نے جگدیش کی طرف سگریٹ بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

جگدیش نے ایک سگریٹ نکال کر سلگائی اور متفکّرانہ انداز میں چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

”مُجھے اس نے اِطّلاع دی تھی۔“ جگدیش نے ڈان ونسنٹ کے ساتھی کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ ”اِس کا بیان ہے کہ البرانو اور اس کا ساتھی کسی لڑکی کو زبردستی اُٹھالے جارہے تھے۔ اس نے اور اس کے ساتھی نے ان کا تعاقب کیا پھر یہ اپنے ساتھی کو یہاں چھوڑ کر ہمیں اِطّلاع دینے کے لیے باہر چلا گیا۔ بہر حال تو وہ لڑکی تمہاری دوست رشیدہ تھی۔ مگر تمہارے بیان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس اجنبی کے ساتھ اپنی خُوشی سے گئی تھی۔“

”میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اجنبی البرانو کا ساتھی تھا۔“ انور نے کہا۔

”افسوس تو اس بات کا ہے کہ آصف سے کُچھ نہ ہو سکا۔“ جگدیش بولا۔

”آصف۔۔۔۔!“ انور تحیّر آمیز لہجے میں بولا۔ ”بے چارہ آصف کیا کر سکتا تھا۔“

جگدیش کُچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ دونوں کانسٹیبلوں نے واپس آکر موٹر سائیکل مل جانے کی اِطّلاع دی۔

”آخر البرانو کا رشیدہ سے کیا تعلّق۔“ جگدیش نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”میں کئی گھنٹے سے یہی گُتھّی سلجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔“

”وہ اِس کے پیچھے تو نہیں لگ گئی تھی۔“ جگدیش نے پوچھا۔

”مُمکن ہے لیکن اس نے مُجھ سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔“

”ضرور یہی بات ہے۔“ جگدیش کُچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ البرانو اتنی دیر تک تمہارے یہاں کیوں ٹھہرا رہا۔“

”ممکن ہے کہ وہ مُجھے اپنی غیر معمولی قوّتوں سے مرعوب کرنے کی کوشش کرتا

رہا ہو۔"

جگدیش خاموش ہو گیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک متجسس نظروں سے کمرے کا جائزہ لیتا رہا پھر اپنے ہونٹ تک اس طرح سکوڑ لیے جیسے کچھ سُننے کی کوشش کر رہا ہو۔

"قرب و جوار کی جھونپڑیاں اُجاڑ دو۔" وہ کانسٹیبلوں کی طرف مُڑ کر بولا۔ "اور اس لکڑی کے مکان کو چور چور کر دو۔"

"مگر اس سے فائدہ۔" انور نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

جگدیش نے اس کی طرف اس طرح دیکھا جیسے اس بات کا جواب دینا کسرِ شان سمجھتا ہو۔

انور نے اسے زیادہ چھیڑنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ ابھی اسے پولیس ہی کی لاری پر واپس جانا تھا۔ موٹر سائیکل تو بیکار ہی ہو چکی تھی۔

جھونپڑیاں اُجاڑی جانے لگیں۔ وہ لوگ باہر نکل آئے تھے اور اب لکڑی کا مکان بھی توڑا جانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ویران بستی اور زیادہ ویران ہو گئی۔

وہاں سے واپسی پر راستے میں جگدیش نے انور کو پھر چھیڑا۔

"رشیدہ کون ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"تم جھوٹے ہو۔" جگدیش بگڑ کر بولا۔ "تمہیں یہ بھی بتانا پڑے گا کہ اس کا البرانو سے کیا تعلّق ہے۔"

"اگر میں یہی جانتا ہوتا تو تم مُجھے اس حالت میں نہ دیکھتے۔"

"میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کر سکتا۔" جگدیش مُنہ سکوڑ کر بولا۔

"میں نے تمہیں اس پر مجبور

تو نہیں کیا۔" انور نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میں تمہیں بند کر دوں گا۔"

"یہ بھی کر کے دیکھ لو۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

”میں جو کہتا ہوں کر گزرتا ہوں۔“

”مجھے اس کا حال بھی خوب معلوم ہے۔ دعائیں دو فریدی صاحب کو جن کی بدولت کوتوالی انچارج بنے ہو۔“

”کیا مطلب۔۔۔۔!“

”یہ کہانی بہت جلد اخبارات میں آنے والی ہے۔“

”مُجھ پر تمہاری دھمکی کارگر نہیں ہو سکتی۔“ جگدیش جھلّا کر بولا۔

”کسی کو دھمکی دینا شریفوں کا کام نہیں۔“ انور نے معصومانہ انداز میں کہا۔ ”میں تو صرف وہ حقائق پبلک کے سامنے لاؤں گا جن کی بناء پر تم نے ترقّی کی ہے۔“

”میں فریدی صاحب کے خیال سے تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔ ورنہ تم اب تک سڑ گئے ہوتے۔“

”میری استدعا ہے کہ تم فریدی صاحب کا خیال کرنا چھوڑ دو۔“ انور نے ملتجیانہ

انداز میں کہا اور جگدیش دانت پیسنے لگا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔

"تمہیں میرے ساتھ کوتوالی چلنا پڑے گا۔"

"وہ تو میں خود ہی چلوں گا۔" انور نے کہا۔ "کیا تُم البرانو کے خلاف میری رپورٹ نہ لکھو گے۔"

"اسی لیے لے چلوں گا۔"

پھر خاموشی چھا گئی۔ لاری کے انجن کی آواز سنّاٹے میں دور دور تک پھیل رہی تھی۔ انور سگریٹ سلگا کر خیالات میں ڈوب گیا۔ رشیدہ اسے بُری طرح یاد آ رہی تھی۔ ابھی تک وہ اس سے لاپرواہی برتتا آیا تھا مگر اب اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ رشیدہ کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتا۔ آخر ڈان ونسنٹ کے آدمیوں سے اس کا کیا تعلّق؟ کیا واقعی رشیدہ کی ذات سے کوئی گہرا راز وابستہ ہے لیکن ان غیر ملکیوں سے اس کا کیا تعلّق؟ اچانک انور چونک پڑا۔ ایک خیال تیزی سے اس

کے ذہن میں اُبھرا تھا۔ اس نے جگدیش کی طرف دیکھا جو باہر پھیلی ہوئی تاریکی میں گھور رہا تھا۔

"ڈان ونسنٹ کے ساتھی نے البرانو کو کس وقت دیکھا تھا۔" انور نے جگدیش سے پوچھا۔

"ساڑھے نو بجے۔"

"اور اس کے ساتھ رشیدہ بھی تھی۔"

"ہاں۔۔۔ لیکن میں یہ کیسے کہہ سکتا ہوں کہ وہ رشیدہ ہی تھی۔ اس نے تو صرف ایک لڑکی کا تذکرہ کیا تھا۔"

"بہرحال اس کا یہ بیان حد درجہ دلچسپ ہے جبکہ البرانو ساڑھے نو بجے سے سوا دس بجے تک میرے کمرے میں رہا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم البرانو سے مل گئے ہو۔" جگدیش اسے گھور کر بولا۔

”تو پھر آصف بھی مل گیا ہو گا۔“ انور نے لاپرواہی سے کہا۔

”کیا مطلب۔۔۔۔؟“

”مطلب یہ کہ میرے اس بیان کی تصدیق آصف سے بھی کی جا سکتی ہے۔“

جگدیش اسے پھر گھورنے لگا۔

”اگر یہ صحیح ہے تو ڈان ونسنٹ کے ساتھی کو کیا سمجھا جائے۔“

”بنڈل۔۔۔۔!“ انور نے سنجیدگی سے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

”میں تمہاری طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔“ جگدیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”ایک عرصے سے یہ دیکھا جا رہا ہے کہ شہر میں ہونے والی بڑی وارداتوں میں تمہاری شخصیت کہیں نہ کہیں ضرور اُلجھتی ہے۔“

”یہ بھی تم لوگوں کی خوش قسمتی ہے۔“ انور نے کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

جگدیش نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ

وہ دِل ہی دِل میں پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ کوتوالی پہنچ گئے۔ جگدیش نے انور کا بیان قلمبند کرنے کے بعد اسے جانے کی اجازت دے دی۔ انور نے موٹر سائیکل وہیں کوتوالی میں چھوڑی اور ایک ٹیکسی کر کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے شدّت سے بھوک لگ رہی تھی۔ لیکن اس وقت شاید ہی کوئی ہوٹل کھلا ہو کیونکہ دو بج رہے تھے۔

گھر پہنچ کر اس نے اسٹوپ جلایا اور ہوٹل سے آئی ہوئی ٹھنڈی چائے کو دوبارہ گرم کرنے لگا۔

اس وقت سچ مچ اس کی حالت بالکل پاگلوں جیسی ہو رہی تھی۔ ذہن بُری طرح اُلجھا ہوا تھا۔ یکے بعد دیگرے بے شمار سوالات ذہن کے تاریک گوشوں سے اُبھرتے اور پھر ڈوب جاتے اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے آہستہ آہستہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہوتی جا رہی ہوں کیا وہ اب رشیدہ کو کبھی نہ پا سکے گا۔

پے در پے چائے کے دو تین کپ خالی کرنے کے بعد وہ پلنگ پر گر گیا۔

دوسرے دِن صُبح آنکھ کھلتے ہی سب سے پہلے اسے اپنی رات کی حماقت کا احساس ہوا۔ اس نے رات کوتوالی سے گھر واپس آنے کے بجائے ڈان ونسنٹ کے اس ساتھی کا تعاقب کیوں نہ کیا جو پولیس والوں کے ساتھ تھا۔ البرانو کی متحیّر کن حرکتیں خواہ کتنی ہی پُراسرار کیوں نہ رہی ہوں لیکن رشیدہ کے معاملے میں اس کا بیان کُچھ نہ کُچھ سچّائی ضرور رکھتا تھا۔ انور سوچنے لگا کہ اگر ڈیگاریکا البرانو کا گرگا تھا تو اس نے ہوش میں آنے کے بعد البرانو کی موجودگی پر حیرت ظاہر کیوں کی تھی۔ اس کا وہ انداز استعجاب قطعی مصنوعی نہیں تھا۔

انور بے اختیار اُٹھ بیٹھا۔ ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد اس نے کپڑے پہنے اور اُس ہسپتال کی طرف روانہ ہو گیا جہاں ڈان ونسنٹ آصف کے بیان کے مطابق زندگی کی آخری گھڑیاں گزار رہا تھا۔ کوتوالی راستے میں ہی پڑتی تھی۔ اس نے سوچا کہ لگے ہاتھ موٹر سائیکل بھی لیتا چلے۔ وہ کوتوالی کے پھاٹک کے قریب پہنچا ہی تھا کہ ایک سپاہی نے اس کا راستہ روک لیا۔

”کِس سے ملنا چاہتے ہو؟“ سپاہی نے پوچھا۔

”میں اخبار کا رپورٹر ہوں۔“

”اندر جانے کا آرڈر نہیں۔“

”کب سے؟“

”آج سے۔ ابھی سے۔“

”لیکن میں اخبار کا رپورٹر ہوں۔“ انور نے احتجاجاً کہا۔

یہ بحث ہو ہی رہی تھی کہ اندر آصف دکھائی دیا اور انور کو دیکھتے ہی اس نے اسے آنے کا اشارہ کیا اور سپاہی ایک طرف ہٹ گیا۔

آصف کُچھ پریشان سا نظر آ رہا تھا۔

”آج پہرے والے روک کیوں رہے ہیں؟“ انور نے اس سے پوچھا۔

”جگدیش کی جھک ہے ورنہ اِس سے کیا ہوتا ہے۔“ آصف نے کہا۔

”آخر بات کیا ہے؟“

”کوئی نئی بات نہیں۔“ آصف مُنہ بنا کر بولا۔ ”یہاں کا قدیم رواج ہے کہ یہاں ایک قتل ہوا لاشوں کی بارش ہو جاتی ہے، کیوں؟“

”آج صُبح ڈی سالٹ کی لاش ملی ہے۔“

”ڈی سالٹ۔۔۔۔!“ انور چونک کر بولا۔ اس نے یہ نام کہیں سُنا تھا۔

”ڈی سالٹ۔“ اُس نے ایک بار پھر دہرایا۔

”ہاں وہ ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں میں سے تھا۔“ آصف نے کہا۔

انور کو یاد آ گیا۔ ڈیگاریکا نے اُسے ڈی سالٹ ہی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ تو کیا البرانو نے اسے قتل کر دیا۔

”اور اس کی موت بھی اسی زہریلی سوئی کی وجہ سے واقع ہوئی تھی۔“ آصف سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ پہلی لاش بھی ڈان ونسنٹ ہی کے ساتھی کی تھی۔“

انور نے کہا۔ ”دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈان ونسنٹ اپنے بقیہ ساتھیوں سمیت کہیں غائب ہو گیا۔“

”ارے۔۔۔۔!“ انور کے لہجے میں تحیّر تھا۔ ”مگر تم تو کہہ رہے تھے کہ وہ نقل و حرکت بھی نہیں کر سکتا۔“

”اس کی ظاہری حالت تو ایسی ہی تھی اور ڈاکٹروں کا بھی یہی خیال تھا کہ وہ ایک ماہ سے قبل نہیں اُٹھ سکے گا۔“

”تو ڈاکٹروں نے اُسے جانے کیوں دیا؟“

”ڈاکٹروں کو اس کی روانگی کا علم ہی نہیں۔ یہ بات تو لاش ملنے کے بعد معلوم ہوئی۔ ڈان ونسنٹ پرائیویٹ وارڈ میں تھا اور اس کے ساتھی بھی وہیں مقیم تھے۔ لاش ملنے کے بعد جگدیش نے ہسپتال فون کیا تب یہ بات معلوم ہوئی۔“

انور کا دماغ چکرانے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ البرانو نے ڈی سالٹ کو قتل کیا تھا تو ڈان ونسنٹ وغیرہ کیوں غائب ہو گئے۔

”کیا سوچ رہے ہو۔“ آصف نے کہا۔ ”ہاں رشیدہ کا کیا ہوا۔“

”کُچھ نہیں۔۔۔۔کُچھ بھی نہیں۔“ انور بے چینی سے بولا۔ ”میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیا کروں؟“

”ارے یہ تُم بول رہے ہو۔“ آصف نے حیرت سے کہا۔ ”میں نے اِس سے قبل تمہیں اتنا پریشان نہیں دیکھا۔“

”میری ساری صلاحیتیں جواب دے گئی ہیں۔ مُجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اب رشیدہ مجھے کبھی نہ ملے گی۔ میں ابھی تک خود کو فریب دیتا رہا ہوں۔ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔“

آصف کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اسے انور سے ایسے الفاظ کی توقّع نہیں تھی۔ وہ تو اسے بالکل جانور اور عورت کے معاملے میں پتھّر کی طرح بے جان سمجھتا تھا۔

انور وہاں زیادہ دیر تک نہیں رکا۔ اس نے اپنی موٹر سائیکل اُٹھائی اور اُسے گھسیٹتا

ہوا قریب ہی کے ایک کارخانے تک لایا۔ وہاں اسے مرمّت کے لیے چھوڑ کر ایک طرف چل پڑا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کہاں جائے؟ آگے چل کر ایک پبلک ٹیلی فون پوسٹ کے قریب پھر رکا۔ آج وہ آفس نہیں جانا چاہتا تھا اور جا کر کرتا بھی کیا۔ جب کہ دماغ قریب قریب بے کار ہو کر رہ گیا تھا۔

"اُس نے منیجر کو فون کر دیا کہ وہ آج دفتر نہ آسکے گا۔"

"لیکن۔۔۔۔ پھر۔۔۔۔ اب کہاں جائے اور کیا کرے؟" اب تو اسے اپنی بے بسی پر غصّہ آنے لگا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ڈان ونسنٹ کو تلاش کرے یا البرانو کو۔ اور ڈیگاریکا تو البرانو کے ساتھ تھا۔ ممکن ہے وہ اب بھی اسی کے ساتھ ہو۔ تھوڑی دیر بعد وہ خود کو مضحکہ خیز لگنے لگا۔ فٹ پاتھ پر اس طرح گُم سُم کھڑے رہنا کوئی اچھّی علامت نہ تھی۔ وہ گڑبڑا کر پاس کے ایک ریستوران میں گھُس گیا۔ ابھی وہ دروازے میں ہی تھا کہ ایک آدمی اسے دھکّا دیتا ہوا تیزی سے اندر داخل ہوا۔ انور کی نگاہیں اس کا تعاقب کرنے لگیں اور یہ دیکھ کر اسے حیرت ہوئی کہ وہاں بیٹھنے کے بجائے وہ دوسرے دروازے سے باہر

نکل گیا۔ یہ سب اتنی جلدی ہوا کہ انور اس کی صورت بھی نہ دیکھ سکا۔ وہ اس دروازے کی طرف بڑھا لیکن باہر فٹ پاتھ پر چلنے والوں میں وہ شخص نہیں دکھائی دیا اور پھر انور کو اپنی حماقت پر ہنسی آنے لگی۔ رہا ہو گا کوئی کسی غَلَط فہمی کی بناء پر یہاں چلا آیا ہو گا اور پھر اپنی غَلَطی کا احساس ہوتے ہی دوسرے دروازے سے نکل گیا۔ انور ایک خالی میز کے قریب بیٹھ گیا۔ کُچھ کھانے کو دِل نہیں چاہ رہا تھا لیکن چونکہ آ چکا تھا اس لیے کُچھ نہ کُچھ منگوانا ہی پڑا۔ چائے اور پیسٹریوں کا آرڈر دے کر اس نے سگریٹ نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ کوئی سخت سا کاغذ اس کی انگلیوں میں کڑکڑایا۔ یہ ایک بند لفافہ تھا جس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا۔

لیکن وہ اس کی جیب میں کیسے پہنچا؟ تو کیا اس آدمی نے اسی لیے اُسے دھکّا دیا تھا۔

انور نے لفافہ چاک کیا۔ اس میں اسی کے نام ایک ٹائپ کیا ہوا خط تھا۔

"انور خط ملتے ہی سرکلر روڈ کی عمارت 'آشیانہ' میں پہنچ جاؤ۔ تمہیں کئی بار فون پر بلانے کی کوشش کی گئی لیکن جواب نہ ملا۔ غالباً تم سمجھ ہی گئے ہو گے کہ میں کون

ہوں مُجھے تم پر اعتماد ہے کہ تم اپنے ساتھ پولیس نہیں لاؤ گے۔"

خط پڑھ کر انور نے لفافہ جیب میں رکھ لیا اور پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ بیرا چائے رکھ کر چلا گیا۔ اس نے جلدی جلدی دو ایک پیسٹریاں کھائیں اور چائے انڈیل کر بڑے بڑے گھونٹ لینے لگا۔ وہ اچھّی طرح جانتا تھا کہ خط کس کا ہو سکتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ بل ادا کر کے باہر آیا۔ ایک ٹیکسی کی اور سر کلر روڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔

ناقابلِ یقین

سرکلر روڈ پر بہت زیادہ عمارتیں نہیں تھیں اس لیے ”آشیانہ“ ڈھونڈنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ یہ ایک طویل و عریض عمارت تھی۔ سامنے ایک پائیں باغ تھا لیکن ابتر حالت میں شاید اس کی دیکھ بھال نہیں کی جاتی تھی۔

انور پھاٹک سے گزرتا ہوا پائیں باغ طے کر کے برآمدے میں آیا۔ یہاں سنّاٹا تھا اس کی نظر دیوار میں لگے ہوئے سوئچ بورڈ پر پڑی جس پر گھنٹی کا بٹن موجود تھا اس نے کئی بار تھوڑے تھوڑے وقفے کے ساتھ بٹن دبایا مگر جواب ندارد۔

اُس نے دو منٹ تک توقف کیا پھر واپس لوٹنے کے لیے تیّار ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا ہو سکتا ہے کہ یہ سب کُچھ اسے پھنسانے کے لیے کیا گیا ہو۔ وہ بر آمدے کی سیڑھیاں طے کر رہا تھا کہ اسے کسی نے پیچھے سے آواز دی۔ انور مُڑا۔۔۔ دروازے پر البرانو کھڑا تھا۔

"میں اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ تم تنہا ہی آئے ہو۔" وہ مُسکرا کر بولا۔ "اسی لیے تمہیں انتظار کرنا پڑا۔ اندر آجاؤ۔" انور چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر خاموشی سے اندر چلا گیا۔

وہ متعدد کمروں سے گزرتے ہوئے ایک وسیع ہال میں پُہنچے جہاں ڈیگاریکا اور البرانو کا ساتھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انور کو دیکھ کر البرانو کے ساتھی نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ البرانو نے صوفے کی طرف اشارہ کیا اور خود بھی ایک کُرسی پر بیٹھ گیا۔ انور کی نظریں ڈیگاریکا کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں جو بہت زیادہ مضمحل نظر آرہا تھا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر دفعتاً البرانو بولا۔

"ڈان ونسنٹ اپنے ساتھیوں سمیت کہیں غائب ہو گیا ہے اور ہم میڈم وزئیل رومولی کا سُراغ لگانے میں ناکام رہے۔"

انور اُسے گھورنے لگا۔

"تم نے ڈی سالٹ کو مار ڈالا۔۔۔!" انور نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں اِس نے خودکُشی کرلی۔" البرانو بولا۔

"خودکُشی۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔ اس نے اپنے جسم میں زہریلی سوئی چبھولی۔ ہم اس سے رومولی کے متعلّق پوچھ رہے تھے۔"

"رومولی۔۔۔ رومولی۔۔۔!" انور بھنّا کر بولا۔ "اُس کا نام رومولی نہیں رشیدہ ہے۔ تُم اُسے خواہ مخواہ کوئی غیر ملکی نام کیوں دے رہے ہو۔"

"اس کا قومی اور مذہبی نام رومولی ہی ہے۔" البرانو مُسکرا کر بولا۔

"تم اُس سے متعلّق مُجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔" انور جھلّا کر بولا۔ "نہ جانے تُم لوگوں نے کس قسم کا جال پھیلا رکھا ہے اور مُجھے بھی بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"میں تم سے پہلے ہی کہہ رہا تھا۔" البرانو نے ڈیگاریکا سے کہا۔ "یہ دشواری ضرور پیش آئے گی۔"

پھر انور کی طرف مُڑ کر بولا۔ "اچھّا تُم اُس کے متعلّق کیا جانتے ہوں؟ چلو میں کہتا ہوں اس کا نام رشیدہ ہی سہی۔ پھر وہ کون ہے؟ کس کی بیٹی ہے؟ کس سرزمین سے تعلّق رکھتی ہے؟ اگر تم یہ سب جانتے ہو تو مُجھے بتاؤ۔"

انور کے مُنہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ وہ خاموشی سے البرانو کی صورت دیکھ رہا تھا۔

"تم اُس کے متعلّق کُچھ بھی نہیں جانتے۔" البرانو ہنس کر بولا۔ "اور نہ وہ

تمہارے متعلّق کُچھ جانتی ہے لیکن میں تم دونوں کے متعلّق سب کُچھ جانتا ہوں۔"

"ہونہہ۔۔۔!" انور طنزیہ انداز میں مُسکرایا۔ "تم میرے متعلّق کیا جانتے ہو؟"

"سنو گے؟" البرانو نے مُسکرا کر کہا۔ "اچھّا تو سنو! نوّاب وجاہت علی خاں کے لڑکے ہو۔"

انور بے اختیار اُچھل پڑا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر البرانو کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تمہارے چچا شباہت علی خاں نے تمہیں اپنے بھائی کی ناجائز اولاد ثابت کرا کے اُن کے ترکے سے محروم کر دیا۔ حالانکہ مُجھے اچھّی طرح علم ہے کہ تمہاری ماں ان کی بیوی تھی۔"

"تم کیسے جانتے ہو؟" انور مُضطربانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھ جاؤ۔۔۔ بیٹھ جاؤ۔" البرانو ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ "مُجھے تم سے ہمدردی ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہاری زندگی کا یہ حادثہ تمہیں غَلَط راستوں پر نکال لے

گیا۔ تمہاری نظروں میں یہ عظیم کائنات اور اس میں متحرک زندگی محض ایک ڈھکوسلا اور بے معنی چیز بن کر رہ گئی۔ مجُھے تم سے ہمدردی ہے۔"

"مجُھے تمہاری ہمدردیوں کی ضرورت نہیں۔" انور ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"تو پھر اُٹھا کر باہر پھینک دیا جائے۔" البرانو کے ساتھی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"چُپ چاپ بیٹھے رہو۔" البرانو نے اسے ڈانٹا اور وہ پھر بیٹھ گیا۔ لیکن وہ اب بھی تمسخر آمیز نظروں سے انور کو دیکھ رہا تھا۔

"اور رشیدہ کے متعلّق سننے کے بعد تمہیں اپنے پر یقین نہ آئے گا۔" البرانو مُسکرا کر بولا۔ "لیکن جس طرح میں نے تمہارے متعلّق بتایا ہے اسی طرح رشیدہ کے متعلّق بھی بتا سکتا ہوں۔"

انور اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ البرانو نے رُک کر سگریٹ سُلگایا اور تین کش لینے کے بعد کہا۔

"رشیدہ ایک غیر معروف جزیرے کی شہزادی ہے۔"

انور کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

"اب تم مجھے پریوں کے دیس کی کہانی سناؤ گے اور مجھے اپنی نانی امّاں یاد آ جائیں گی اور پھر کہانی کے خاتمے پر کہہ دینا کہ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔" انور نے پھر قہقہہ لگایا۔

البرانو کے ہونٹوں پر خفیف سی مُسکراہٹ تھی۔

"سینور، البرانو کا بیان صحیح ہے۔" ڈیگاریکا آہستہ سے بولا۔

"تُم لوگ مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے۔" انور اُٹھتا ہوا بولا۔ "تُم یہاں کوئی بہت ہی خوفناک جُرم کرنا چاہتے ہو۔ اس سے پہلے بھی کئی مُجرموں نے ہمیں اپنے راستے سے ہٹانا چاہا ہے۔"

"بیٹھ جاؤ۔" البرانو تحکمانہ لہجے میں بولا۔

انور غیر ارادی طور پر بیٹھ گیا۔

”تمہاری حقیقت ہی کیا ہے؟“ البرانو نے کہا۔ ”اگر میں تمہیں اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا تو کل رات ہی ہٹا دیتا۔ تم میری نظروں میں ایک طفلِ مکتب سے زیادہ نہیں ہو۔“

البرانو ٹھیک کہہ رہا تھا۔ انور کا سر چکرانے لگا اور پھر دفعتاً اسے یاد آ گیا کہ رشیدہ اپنے کسی راز کو چھپانے کے لیے داراب کے قتل پر کمربستہ ہو گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ کوئی معمولی واقعہ نہ رہا ہو گا لیکن اگر سچ مچ وہ کسی مُلک کی شہزادی تھی تو ایک معمولی عورت کی طرح کیوں زندگی بسر کر رہی تھی اور پھر سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ سو فیصدی ہندوستانی معلوم ہوتی تھی۔ بھلا وہ کسی غیر ملک کی شہزادی کیسے ہو سکتی ہے؟

”کیا سوچنے لگے؟“ البرانو اسے خاموش دیکھ کر بولا۔

”میں کُچھ نہیں سمجھ سکا۔۔۔ میرا دماغ بے کار ہوتا جا رہا ہے۔“ انور نے اُکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”سب کُچھ سمجھ سکتے ہو بشرطیکہ دوسروں پر اعتماد کرنا سیکھو۔“

انور بے بسی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”تمہیں محض اس لیے حیرت ہے کہ تم اس جزیرے کے عجیب و غریب رسم و رواج سے واقف نہیں ہو۔“ البرانو نے کہا۔ ”وہاں کے تاج اور تخت کا حقدار بچپن ہی سے وہاں سے ہٹا کر کسی دوسرے مُلک میں رکھا جاتا ہے اور سنِ بلوغ کے پہنچنے پر پھر وہیں واپس چلا جاتا ہے اور حکمران کے مرنے کے بعد عنانِ حکومت خود سنبھالتا ہے۔ اگر حکمران ولی عہد کی کمسنی ہی میں مر جائے تو اس کا قریبی عزیز اس کے بالغ ہونے تک امورِ سلطنت انجام دیتا ہے اور رومولی یا رشیدہ، اپنے باپ کی پہلی اولاد ہونے کی حیثیت سے تخت کی حقدار تھی اس لیے اسے جزیرے سے ہٹا دیا گیا۔ اِسی دوران میں اُس کا باپ حادثہ کا شکار ہو کر مر گیا۔ لہٰذا رشیدہ کا چچا عارضی طور پر وہاں حکومت کرنے لگا۔ رشیدہ کو میکسیکو میں رکھا گیا تھا۔ ایک دِن اچانک اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ ڈیگاریکا اُس کا اتالیق تھا۔ اسی نے کسی طرح پتہ لگا لیا کہ رشیدہ کا چچا اُسے ختم کر کے خود ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تخت کا

مالک بننا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس نے دور اندیشی سے کام لے کر یہ خبر مشہور کر دی کہ رشیدہ کو کسی نے مار ڈالا اور پھر اُسے لے کر اِدھر اُدھر کی خاک چھانتا رہا۔ نہ جانے کیوں اسے یہ خیال آیا کہ رشیدہ صرف ہندوستان میں محفوظ رہ سکتی ہے۔ لہٰذا تم یہ خود سوچ سکتے ہو کہ جس بچّے کی پرورش ہندوستانی ماحول میں ہوئی ہو وہ سو فیصدی ہندوستانی ہی ہو گی۔ ڈیگاریکا نے اُس کی پروش بالکل ہندوستانی طریقے پر کرائی۔ رشیدہ اپنی اصلیت سے اچھّی طرح واقف تھی۔ لہٰذا فطری طور پر کسی ایک ایسے آدمی کی اُسے تلاش ہوئی جو اُس کی حفاظت کر سکے۔ اس کے لیے اُس نے تمھیں مُنتخب کیا۔ ڈیگاریکا رشیدہ کو یہاں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ لیکن اکثر وہ اسے دیکھنے کے لیے آتا رہتا تھا۔ اس دوران میں شاید رشیدہ کے چچا کے جاسوسوں کو اِس کا علم ہو گیا۔ انہوں نے اِس کی اِطّلاع اُس کے چچا کو دی اور اس نے ڈان ونسنٹ کو یہاں بھیجا، تا کہ رشیدہ کو پکڑوا سکے۔ اس بار جب ڈیگاریکا اپنے لڑکے اور لڑکی کے ساتھ ہندوستان آیا تھا ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھی پیچھے لگ گئے تم نے اس دِن صُبح جو لاش دیکھی تھی وہ ڈیگاریکا کے لڑکے کی تھی۔ ڈان

ونسنٹ کے ساتھیوں نے اسے قتل کیا تھا۔" البرانو خاموش ہو گیا۔

انور کی نگاہیں ڈیگاریکا کی طرف اُٹھ گئیں جس کی آنکھوں میں دو موٹے موٹے قطرے جھلملا رہے تھے۔ وہ اُٹھ کر کمرے سے چلا گیا۔

"بے چارہ۔" البرانو نے کہا اور انور کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

"لیکن ڈیگاریکا یہاں پہنچا کس طرح۔" انور نے کہا۔ "اِس کا ریکارڈ کسی سفارت خانے میں نہیں ہے۔"

"وہ باقاعدہ اور جائز طور پر یہاں داخل نہیں ہوا۔" البرانو نے جواب دیا۔

"اور تم۔۔۔!" انور نے مُضطربانہ انداز میں کہا۔ "تُم کس سفارت خانے کے ذریعے سے یہاں آئے ہو۔ تمہارا ابھی کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔"

"ہم لوگوں کو کسی ذریعے کی ضرورت نہیں۔" البرانو کے ساتھی نے کہا پھر البرانو سے مخاطب ہو کر بولا۔ "میں نے ڈیگاریکا کی لڑکی کو نہیں دیکھا، کیا وہ کافی حسین ہے۔"

”بکومت۔۔۔۔!“ البرانو اسے گھورنے لگا۔

”تو یہ ڈرامہ کب ختم ہو گا۔“ انور نے کہا۔ اس کے لہجے میں بے اعتباری تھی۔

”تم شاید ابھی تک اسے مذاق ہی سمجھ رہے ہو۔“ البرانو بولا۔

”حقیقت سمجھنے کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔“

”آخر تمہیں کس طرح یقین آئے گا۔“

”کسی طرح نہیں۔“ انور نے لاپروائی سے کہا۔ الف لیلیٰ کی یہ لمبی چوڑی داستان سُننے کے بعد اسے سو فیصدی یقین ہو گیا تھا کہ البرانو اُسے بیوقوف بنا رہا ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ رشیدہ کا راز اتنا بے سروپا نہیں ہو سکتا۔ یقیناً البرانو اُس سے رشیدہ کی آڑ میں کوئی بھیانک جرم کرانا چاہتا ہے۔ البرانو بغور اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ دفعتاً وہ اٹھا اور انور کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

”میرے ساتھ آؤ۔۔۔۔!“

انور پہلے تو ہچکچایا لیکن پھر اس کے ساتھ ہو لیا۔ البرانو اسے ایک کمرے میں لایا اور دروازہ بند کر دیا۔

”تُم نے ابھی کہا تھا کہ تمہیں اس کہانی پر یقین نہیں آ سکتا۔“ وہ مُسکرا کر بولا۔

”اور اب بھی یہی کہتا ہوں۔“

”اچھّا تو اِدھر بیٹھ جاؤ۔“ البرانو نے ایک کُرسی کی طرف اشارہ کیا۔

”کیوں اب کوئی شُعبدہ دکھانے کا ارادہ ہے۔“ انور مُسکرا کر بولا۔

”یہی سمجھ لو۔“ البرانو نے لاپروائی سے کہا۔

البرانو دوسری طرف چلا گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک ایک میز پر رکھے ہوئے کاغذات اُلٹتا پلٹتا رہا پھر اپنے ہاتھ میں ایک اخبار دبائے ہوئے واپس آیا۔ کاغذ کی رنگت بتا رہی تھی کہ وہ بہت پُرانا اخبار ہے۔ البرانو نے وہ اخبار انور کے سامنے پھیلا دیا اور ایک تصویر پر اُنگلی رکھ کر انور کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ ایک ننھّی سی بچی کی تصویر تھی جس کے نیچے لکھا ہوا تھا۔

”کسی بے درد نے اِس معصوم بچّی کو قتل کر دیا۔ لاش ایک پبلک پارک میں پائی گئی۔ قتل کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔“

انور تصویر کو بغور دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ اُچھل پڑا۔ لیکن شاید اس کا یہ رویّہ البرانو کے لیے غیر متوقّع تھا۔ وہ انور کی طرف دیکھنے لگا۔

”یہ تو سچ مچ رشیدہ کے بچپن کی تصویر معلوم ہوتی ہے۔“ انور نے کہا۔

”تمہیں کیسے معلوم ہوا۔“ البرانو کے لہجے میں حیرت تھی۔ ”کیا اُس کے پاس اس کے بچپن کی تصویر تھی۔“

”ہاں۔۔۔۔ میں نے اُس کے لاکٹ میں دیکھی تھی۔ یہ لاکٹ اس کے ہار میں لگا ہوا ہے۔“

”بہر حال اب تمہیں اس پر یقین ہو جانا چاہیے۔“ البرانو نے کہا۔ ”یہ میکسیکو کے شہر اور بندر گاہ ویرا کروز کا اخبار ہے۔“

انور نے اخبار اٹھایا اور دیر تک دیکھتا رہا۔ پھر البرانو کو گھور کر بولا۔

”مگر اس میں کسی شہزادی کا ذکر نہیں۔ تم کہہ رہے تھے کہ ڈیگاریکا نے اس کے قتل کی خبر مشہور کر دی تھی۔“

اُس کی شہرت اُس جزیرے میں ہوئی تھی۔ مہذّب دُنیا تو یہ بھی نہیں جانتی کہ اُس جزیرے میں کوئی آبادی بھی ہے۔ دُنیا کے ویران جزیروں میں اس کا بھی شمار ہوتا ہے۔ وہاں کے باشندے نہیں چاہتے کہ مہذّب دُنیا اس کے وجود سے واقف ہو۔ حالانکہ وہ خود بھی کافی ترقّی یافتہ ہیں اور ترقّی یافتہ ممالک سے تعلّق رکھتے ہیں۔

”البرانو کیا تم مُجھے بچّہ سمجھتے ہو۔“ انور سنجیدگی سے بولا۔ ”میں نہیں جانتا کہ تمہارا مقصد کیا ہے؟ لیکن مُجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔“

”مجھے اِس دشواری کا علم تھا کہ تم یقین نہ کرو گے۔“ البرانو مُسکرا کر بولا۔ ”خود مُجھے بھی حیرت ہے کہ اس جزیرے کے باشندے ایسی صورت میں اپنا وجود کیوں کر چھپائے ہوئے ہیں جبکہ وہ دوسرے ممالک سے بھی تعلّقات رکھتے

ہیں۔"

"جب تمہیں خود اس پر یقین نہیں آتا تو مُجھے کیوں یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہو؟" انور نے کہا۔ "میں نے یہ تو نہیں کہا کہ مُجھے اس پر یقین نہیں۔ یقین ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ حیرت بھی۔"

انور خاموش ہو گیا۔ البرانو بھی کُچھ سوچ رہا تھا۔ دفعتاً انور بولا۔

"ڈان ونسنٹ نے پولیس کو بیان دیا تھا کہ تمہاری اس سے انگلینڈ میں لڑائی ہو چکی ہے اس لیے تم اس کے جانی دُشمن بن گئے ہو۔"

"یہ قطعی غَلَط ہے۔ اس کا تعاقب میں انگلینڈ ہی سے کر رہا ہوں لیکن یہاں پہنچنے سے قبل شاید اسے اس کا علم بھی نہ ہوا۔ تم نہیں جانتے اس نے یہ شوشہ محض اس لیے چھوڑا تھا کہ ڈیگاریکا کے لڑکے کا قتل میرے سر تھوپ دیا جائے اور اسے اس میں کامیابی بھی ہوئی۔ پولیس نے اسے چھوڑ کر میرا تعاقب کرنا شروع کر دیا اور میں بھی دیدہ دانستہ پولیس کو اس کا موقع دیا تھا۔"

”کیوں۔۔۔۔؟“ انور چونک کر بولا۔

”محض اس لیے کہ ڈان ونسنٹ جس مقصد کے لیے ہندوستان آیا تھا اسے آسانی سے پورا کر سکے۔“

”تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔“

”تم سمجھے شاید میں اختلاف بیانی سے کام لے رہا ہوں۔“ البرانو مُسکرا کر بولا۔ ”میں یہ ضرور جانتا تھا کہ ڈان ونسنٹ ہندوستان جا رہا ہے۔۔۔“ البرانو خاموش ہو گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ انور اس کی باتوں میں دلچسپی لینے کے بجائے دوسری طرف دیکھ رہا ہے۔ البرانو کے ہونٹوں پر ایک پُراسرار مُسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنے چہرے پر لگی ہوئی گھنی داڑھی الگ کر دی۔ انور ابھی تک دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے جہاں سے بات ختم کی تھی وہیں سے پھر شروع کر دی۔ ”میں جانتا ہوں کہ ڈان ونسنٹ ہندوستان جا رہا تھا لیکن اس کے مقصد سے واقف نہیں تھا۔ یہاں آ کر۔۔۔۔!“

”بس ختم بھی کرو۔“ انور بیک اس کی طرف مُڑ کر بولا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے مُنہ سے ایک تحیّر آمیز چیخ نکلی اور وہ اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”آپ۔۔۔!“ انور کا مُنہ پھیل کر رہ گیا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہو۔ البرانو کی جگہ ایشیا کا جوان سال اور دلیر سُراغ رساں انسپکٹر فریدی مُسکرا رہا تھا۔

”اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا۔“ انور آہستہ سے بڑبڑایا۔

”تمہاری بے یقینی سے خُدا ہی بچائے۔“ فریدی نے کہا۔

”جی نہیں۔۔۔۔ یہ بات نہیں۔“ انور جلدی سے بولا۔

”خیر اب زیادہ بدحواسیاں دکھانے کی ضرورت نہیں۔ ہم آج ہی ڈان ونسنٹ کے تعاقب میں روانہ ہو رہے ہیں۔“

”لیکن آخر آپ اس بھیس میں کیوں ہیں۔“ انور مُضطربانہ انداز میں بولا۔

”یہ بھیس میں نے یہیں آ کر بدلا ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں دراصل خاموشی سے کام کرنا چاہتا تھا۔ اس دِن مے پول ہوٹل میں میں نے ہی تم لوگوں کو ایک خط بھجوایا تھا حالانکہ میں نے غَلَطی کی تھی اور اسی غَلَطی کی تلافی کے لیے مُجھے رائفل کلب والے مُقابلہ میں حصّہ لینا پڑا۔ پھر پولیس اِسے چھوڑ کر میرے پیچھے لگ گئی۔ اگر ڈان ونسنٹ کی نقل و حرکت دیکھی جاتی تو وہ کھُل کر کام نہ کر سکتا۔ کل رات کو بھی عجیب اتّفاق پیش آیا تھا۔ ڈیگاریکا سے میں کل رات ہی واقف ہوا۔ ڈان ونسنٹ کے ساتھی اس کا تعاقب کر رہے تھے اور میں ان کے تعاقب میں تھا اور پھر مُجھے یہ معلوم ہوا کہ انہیں جس لڑکی کی تلاش تھی وہ رشیدہ تھی۔ لٰہذا اس صورت میں مُجھے خاص طور پر دلچسپی لینی پڑی۔“

”پولیس والے آپ کی تلاش میں بُری طرح سر گرداں ہیں۔“

”اِن لوگوں کو بے وقوف بنانا مُشکل نہیں۔“ فریدی نے کہا اور بجھا ہوا سِگار سلگانے لگا۔

”اچھّا تو دوسرے صاحب میاں حمید ہیں۔“

”ظاہر ہے۔“

”رشیدہ کے متعلّق آپ کو یہ ساری باتیں ڈیگاریکا سے معلوم ہوئیں۔“

”ہاں۔۔۔۔ کل رات کو اس نے مُجھے سارا واقعہ بتایا۔“

”وہ آپ کو البرانو ہی کی حیثیت سے جانتا ہے۔“

”ہاں۔۔ اور یہی ٹھیک بھی ہے۔ ورنہ وہ بھڑک جائے گا۔ میں اُس اَن دیکھے جزیرے کا سفر کرنا چاہتا ہوں۔“

”لیکن آپ ڈان ونسنٹ کے پیچھے کس طرح لگ گئے تھے۔“

”ایک دِن ہم لوگ لندن کے جیفریز ہوٹل میں رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ ہمارے ساتھ اسکاٹ لینڈ یارڈ کا چیف انسپکٹر براؤن بھی تھا۔ ہمارے قریب ہی ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھی بھی موجود تھے۔ براؤن نے مُجھے بتایا کہ یہ ان

لوگوں کو مشتبہ سمجھتا ہے اور اس دوران میں انہوں نے کُچھ ایسی حرکتیں بھی کیں کہ مجھے دلچسپی لینے پر مجبور ہو جانا پڑا اور پھر مجھے ان کی گفتگو سے یہ معلوم ہوا کہ وہ ہندوستان جا رہے ہیں۔ میں تھوڑی بہت اسپینی بول اور سمجھ لیتا ہوں۔ میں نے ڈیگاریکا کا نام انہیں کی زبان سے سُنا تھا۔ وہ اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک کا خیال تھا کہ ڈیگاریکا کی منزل ہندوستان ہو ہی نہیں سکتی ممکن ہے وہ وہاں سے کہیں اور بھی جائے پھر کسی لڑکی کا تذکرہ آگیا جسے وہ پکڑ کر اپنے ساتھ کہیں لے جانا چاہتے تھے۔ بہر حال ان کی گفتگو اسی قسم کا معمّہ تھی۔

فریدی خاموش ہو کر کُچھ سوچنے لگا۔

"جب آپ کو یہ نہیں معلوم کہ ڈان ونسنٹ گیا کہاں تو آپ کا تعاقب کس طرح کریں گے۔"

"ظاہر ہے کہ وہ رشیدہ کو پا جانے کے بعد اس جزیرے کا رُخ کرے گا اور یہ واضح ہے کہ وہ چوری چھُپے یہاں سے نکل جانے کی کوشش کرے گا۔ اس کے لیے

کوئی غیر معروف ہی راستہ کار آمد ثابت ہو سکتا ہے۔ لٰہذا ہم کہیں سے بھی روانہ ہوں انہیں اس جزیرے میں داخل ہونے سے پہلے ہی جالیں گے۔"

فریدی اُٹھ کر میز کی طرف چلا گیا اور آئینے میں دیکھ دیکھ کر دوبارہ اپنے چہرے پر مصنوعی داڑھی لگانے لگا۔

"تم شاید ابھی تک یقین اور شُبہے کی کشمکش میں مبتلا ہو۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"نہیں تو۔۔۔!" انور جلدی سے بولا۔ "میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر آپ نہ ہوتے تو شاید وہ لوگ مجُھے ختم کر دیتے۔"

"اِس میں تو شک نہیں۔" فریدی نے مُڑ کر ہونٹوں میں نیا سِگار دباتے ہوئے کہا۔

انور نے پھر کُچھ پوچھنا چاہا لیکن کُچھ سوچ کر رُک گیا۔

"اب سوچتا ہوں تو خود مجُھے حیرت ہوتی ہے۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کوئی صحیح الدّماغ آدمی ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ جیسی میں نے کی ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"یہ پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے کہ میں اِن لوگوں کے پیچھے لندن سے یہاں تک دوڑتا چلا آیا اور یہ سب کچھ ڈان ونسنٹ کے محض ایک جملے پر ہوا۔ اُس کا ایک ساتھی کہہ رہا تھا کہ کہیں وہ ہندوستان میں کسی مُصیبت میں مبتلا نہ ہو جائیں جس پر ڈان ونسنٹ نے کہا کہ وہاں سب گدھے بستے ہیں وہاں کی پولیس اتنی ذہین نہیں ہے کہ کام میں حارج ہو سکے۔"

"اوہ۔۔۔۔!"

"اور پھر میں اِن کے پیچھے لگ گیا۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "اگر ڈی سالٹ خودکُشی نہ کر لیتا۔۔۔۔!"

باہر قدموں کی آہٹ سُنائی دی اور فریدی اچانک خاموش ہو گیا۔ آنے والا ڈیگاریکا تھا۔ وہ اسپینی زبان میں کُچھ کہتا رہا اور فریدی سر ہلا ہلا کر سُنتا رہا۔ بہر حال ڈیگاریکا کے انداز سے تحیّر ظاہر ہو رہا تھا۔ پھر فریدی نے اس سے کُچھ کہا اور وہ

مُسکرا کر واپس چلا گیا۔

"یار میں حمید سے عاجز آگیا ہوں۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کیوں؟ کیا ہوا۔"

"ڈیگاریکا نے شاید اس سے اپنی لڑکی کا تذکرہ کیا تھا جو یہیں کہیں ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہے۔ لہٰذا وہ اسے بحفاظت تمام یہاں لانے کا وعدہ کر کے گیا ہے۔ ڈیگاریکا افسوس ظاہر کر رہا تھا کہ اس نے اِس کام کے لیے اپنی خوبصورت ترین داڑھی چھیل کر رکھ دی اور ایک ہندوستانی کے بھیس میں گیا ہے۔ اُسے اِس بات پر حیرت ہے وہ ہم لوگوں سے اِس بُری طرح مرعوب ہوا ہے کہ ہمیں اپنے پُر اسرار جزیرے میں لے جانا چاہتا ہے حالانکہ یہ اُس قوم کی تاریخ میں پہلا واقعہ ہو گا۔ وہاں آج تک کسی غیر مُلکی کے قدم نہیں پُہنچے۔"

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔" انور نے کہا۔

"میری معلومات کا انحصار محض ڈیگاریکا کے بیان پر ہے۔ حقیقت کیا ہے اس کے

متعلّق میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ ڈیگاریکا نے بتایا ہے کہ اس جزیرے کے باشندے نسلاً اسپینی ہیں۔ اسپین کے سپہ سالار کورٹے نے جب میکسیکو پر حملہ کیا تھا اس وقت وہاں مونٹے زوما کی حکومت تھی۔ اتفاقاً کورٹے کا ایک سردار اپنے دستے سمیت مونٹے زوما سے مل گیا۔ اس غدّاری کا باعث مونٹے زوما کی حسین لڑکی اوٹامی تھی وہ اس پر عاشق ہو گیا تھا۔ کورٹے نے مونٹے زوما کو شکست دے دی اور وہ سردار اوٹامی اپنے دستے سمیت فلوریڈا ہوتا ہوا جزائر بہامہ کی طرف فرار ہو گیا۔ پھر انہوں نے ایک غیر آباد جزیرے میں پناہ لی جو جزیرہ اینڈروس اور جزائر واٹلنگ کے درمیان میں واقع ہے۔ چونکہ آج بھی لوگوں کو یقین ہے کہ وہ جزیرہ غیر آباد ہے اس لیے وہ بیرن آئی لینڈ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن وہاں کی آبادی بیس لاکھ کے قریب ہے۔ ڈیگاریکا کا کہنا ہے کہ وہ جزیرہ کبھی غیر آباد نہیں تھا۔ وہاں اب بھی جنگلوں میں کہیں کہیں قدیم قبائل ملتے ہیں۔ لیکن وہ نیم وحشی ہیں۔ وہاں اب تک شہنشاہیت قائم ہے۔"

انور کے ہونٹوں پر گویا مُہر لگ گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا

بولے۔ اگر فریدی کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو وہ اسے الف لیلیٰ کی ہی کوئی داستان سمجھتا۔ مگر اب وہ سوچ رہا تھا کہ اگر ڈیگاریکا کا بیان غَلَط بھی ہو تب بھی رشیدہ کی شخصیت پُر اسرار ہی رہتی ہے۔ اگر وہ ہندوستانی ہے تو کسی غیر ملکی کا اس میں اس طرح دلچسپی لینا کیا معنی رکھتا ہے۔

"تو پھر تم ہمارے ساتھ چلو گے۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں رشیدہ کے لیے سب کُچھ کر سکتا ہوں۔" انور آہستہ سے بولا۔

"ٹھیک، مُجھے تم سے یہی اُمّید ہے۔ ڈیگاریکا تمہارا احسان مند ہے کہ تم نے رومولی کی حفاظت کی۔ ڈیگاریکا اکثر اس سے ملتا رہتا ہے۔ رشیدہ نے تمہارے متعلّق اسے سب کُچھ بتا دیا ہے وہ تمہارے کردار کی بلندی کا معترف ہے۔"

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اپنے متعلّق سوچ رہا تھا کہ اس کے یکا یک غائب ہونے پر کیا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ پولیس اپنا شُبہ یقین میں بدل دے۔ وہ کافی دیر تک اُلجھتا رہا لیکن یہ خیال کر کے پھر اطمینان ہو گیا کہ انسپکٹر فریدی اس کے ساتھ

ہو گا۔ اس نے تہیّہ کر لیا کہ وہ آج ہی باقاعدہ طور پر اپنی ملازمت سے مستعفی ہو جائے گا۔ بہانہ رشیدہ کی تلاش کا ہو گا۔ جن کی گمشدگی سے لوگ واقف ہو چکے ہیں۔

روانگی

”عجیب اتّفاقات ہیں۔“ فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ ”کُچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی مصنّف نے کسی ناول کا پلاٹ بکھیر دیا ہو۔ جو واقعات مُجھ پر گزرے ہیں بعض اوقات میں انہیں بھی کہانیاں سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہوں۔“

فریدی خاموش ہو گیا۔ انور کی نظریں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

”تُم خود سوچو۔“ فریدی بُجھا ہوا سِگار ایش ٹرے میں ڈالتا ہوا بولا۔ ”کیا اِس وقت میری شخصیت کسی ناول کے پُر اسرار جاسوس کی شخصیت سے کم ہے۔ اگر کبھی

کسی نے یہ واقعہ لکھنے کی کوشش کی تو کیا پڑھنے والے اسے شاندار گپ نہیں سمجھیں گے۔"

"مُجھے تو آج کل کُچھ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کسی دوسری دُنیا میں سانس لے رہا ہوں۔" انور نے کہا۔

"بہر حال ہم حقائق سے دوچار ہیں جن کی صداقت مستقبل کے دُھندلکے میں کھوئی ہوئی ہے۔"

"لیکن ہم سفر کس طرح کریں گے؟" انور نے پوچھا۔

"یہاں سے خلیج فارس تک ہم چوری چھپے جاسکتے ہیں۔ ڈیگاریکا نے اس کا انتظام پہلے ہی کر رکھا ہے۔ اس سے قبل بھی وہ بحرین تک باضابطہ طور پر آیا کرتا تھا اور بحرین سے یہاں تک غیر قانونی طریقے پر۔ ہاں تو ہم یہاں سے بحرین تک معمولی قانون شکنی کرنے والوں کی طرح جائیں گے اور بحرین سے میں انتظام کر لوں گا۔"

”تو اس بار بھی وہ لندن سے بحرین آیا تھا۔“ انور نے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔۔!“

”لیکن ڈان ونسنٹ وغیرہ تو باضابطہ طور پر آئے تھے۔“ انور نے کہا۔ ”اس طرح ان دونوں کے راستے الگ ہو گئے۔“

”ہاں۔۔۔۔ بے چارہ ڈیگاریکا اس سے ناواقف تھا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ اسے ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھیوں کی موجودگی کا علم یہیں آ کر ہوا۔ لیکن شاید ڈیگاریکا کالڑ کا اس بات سے پہلے ہی واقف ہو گیا تھا۔ اس لیے ان لوگوں نے اسے قتل کر دیا۔“

”مگر اس کے بعد وہ لوگ اچانک منظر عام پر کیوں آ گئے تھے۔ تیغ زنی کے مُقابلے کی وجہ سے ان لوگوں کی خاصی شہرت ہو گئی تھی۔“

”دراصل ان لوگوں سے حماقتوں پر حماقتیں سرزد ہوئیں۔ فریدی سِگار سُلگاتا ہوا بولا۔ ”انہوں نے بوکھلاہٹ میں اسے قتل تو کر دیا لیکن چونکہ باضابطہ طور پر

یہاں آئے تھے اور ان کا ریکارڈ موجود تھا اس لیے خوف دامن گیر ہوا کہ پولیس انہیں تنگ کرے گی لہٰذا وہ کھلّم کھلا سامنے آگئے۔ شاید انہوں نے یہ بھی سوچا کہ اس طرح ڈیگاریکا دھوکا بھی کھا جائے گا۔ وہ یہی سمجھے گا کہ یہ لوگ کمانے کھانے کے لیے نکلے ہیں لیکن ہوا اس کے برعکس۔ ڈیگاریکا کے لڑکے کی شکل بگاڑ دی گئی۔ اس لیے وہ اسے کوئی اتّفاقیہ حادثہ سمجھنے کے لیے تیّار نہیں تھا اور پھر اچانک ڈان ونسنٹ وغیرہ کا سامنے آجانا اس کے شُبہات کی تقویت کے لیے کافی تھا۔ اسی لیے ڈیگاریکا نے بھیس بدل کر رشیدہ تک پہنچنے کی کوشش کی تھی۔"

فریدی اور انور کافی دیر تک سفر کی اسکیم پر بحث کرتے رہے پھر انور واپس آگیا۔ آفس پہنچ کر اس نے استعفٰی لکھا لیکن پھر بذاتِ خود اُس نے منیجر تک پہنچانے کا ارادہ ترک کر دیا کیونکہ وہ اس سِلسِلے میں زیادہ بات چیت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس طرح بات کے قبل از وقت ہی پھیل جانے کا اندیشہ تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا پولیس انور کے پیچھے پڑ جاتی۔ ڈان ونسنٹ غائب ہو چکا تھا اور البرانو پہلے ہی سے پولیس والوں کے لیے چھلّاوا بنا ہوا تھا۔ اب رشیدہ کی شخصیت بھی پُر اسرار

طریقے پر ہونے والے حادثات سے منسلک ہو چکی تھی۔ لہٰذا پولیس کے لیے تاش کا آخری پتہ انور ہی تھا۔ انور سوچنے لگا کہ اگر اب اس سے کوئی غیر معمولی حرکت سرزد ہوئی تو وہ فریدی کی بنائی ہوئی اسکیم میں حصّہ لینے سے پہلے ہی پریشانیوں میں مُبتلا ہو جائے گا۔ لہٰذا اس نے یہ طے کیا کہ وہ اپنا استعفٰی بذریعہ ڈاک بھیجے گا۔ رشیدہ کے غائب ہونے کی خبر پھیل چکی تھی۔ دفتر کے لوگ انور سے اس کے بارے میں پوچھتے رہے اور وہ انہیں اِدھر اُدھر کی باتوں میں ٹالتا رہا۔ تقریباً چھ بجے شام کو وہ سرکلر روڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے خوف تھا کہ کہیں کوئی اس کا تعاقب نہ کر رہا ہو۔ لہٰذا اس نے باٹم روڈ کے چوراہے سے ٹیکسی چھوڑ دی اور پیدل چلنے لگا۔

سرکلر روڈ سنسان پڑی تھی۔ دور دور تک کسی کا پتہ نہیں تھا۔ انور اچھّی طرح اطمینان کر لینے کے بعد "آشیانہ" میں داخل ہو گیا۔ اس بار اس نے گھنٹی بجانے کی زحمت گوارہ نہ کی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا وہ بے دھڑک اندر گھستا چلا گیا۔ "پردہ ہے اندر زنانہ ہیں۔" کسی نے قریب ہی سے اُردو میں کہا۔

انور نے پلٹ کر دیکھا پیچھے سارجنٹ حمید کھڑا مُسکرا رہا تھا۔

"تو تُم جامۂ انسانیت میں آ گئے۔" انور نے کہا۔

"جانِ من میں کسی لڑکی کے سامنے ایسا حلیہ نہیں بناتا کہ وہ مُجھے لفٹ ہی نہ دے۔"

"تو پھر اسی مُشکل میں اسے بلانے گئے تھے۔"

"قطعی۔۔۔۔ میں فریدی صاحب کی طرح بُزدل نہیں ہوں۔" حمید اکڑ کر بولا۔

"خیر چھوڑو اِن باتوں میں کیا رکھا ہے۔ اس بار تمہاری بھی ساری شیخی ہوا ہو گئی۔"

"لونڈے ہو۔" انور بُرا سا مُنہ بنا کر بولا۔

"میں تو خیر لونڈا ہوں لیکن تُم لونڈے سے بھی بد تر ہو۔ کل رات کو میں نے تمہیں چوہا بنا دیا تھا۔"

”ایسے اتّفاقات بہادروں ہی کو پیش آتے ہیں۔“ انور نے کہا اور سگریٹ سُلگانے لگا۔

”بہادر میاں ذرا اپنے آنسو تو سکھالو۔ بہت روئیں گے ان کو ہم یاد کر کے چلے دِل کی دُنیا جو برباد کر کے۔“

دفعتاً فریدی ان کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا اور جھلّائے ہوئے لہجے میں آہستہ سے بولا۔

”تُم لوگ سب چوپٹ کر دو گے۔“ پھر حمید کی گردن پکڑ کر کہا۔ ”تمہاری شامت آجائے گی۔“

”شامت بھی اتّفاق سے مؤنث ہے۔“ حمید مُنہ بنا کر بولا۔

فریدی اسے گھورتا ہوا دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

”میرا خیال ہے کہ اب تُم رشیدہ کا چکر چھوڑ دو۔“ حمید نے انور سے کہا۔

”مجھے تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں۔“

”کیوں خواہ مخواہ اپنی بھی جان دو گے۔ اگر تُم باز آ جاؤ تو میں فریدی صاحب کو کسی نہ کسی طرح روک ہی لوں گا۔“ حمید نے کہا۔ ”ویسے تو ہمیشہ ان کے سر پر ایڈونچر کا بھُوت سوار رہتا ہے۔“

”اگر فریدی صاحب نہ جائیں تب بھی ڈیگاریکا کی ساتھ میں جاؤں گا۔“

”عشق بُری بلا ہے۔“ حمید مُنہ سکھا کر بولا۔ ”خُدا بروز قیامت تمہیں مجنوں کے دیدار سے مشرف کرے۔ آمین چلئے تشریف لے چلئے۔“

حمید نے سامنے والے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

ہال میں ڈیگاریکا اس کی لڑکی اور فریدی بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔

”سینور انور سعید۔“ فریدی نے اُٹھ کر تعارف کرایا۔ ”اور سینور رمونا ڈیگاریکا۔“

رمونا کھڑی ہو کر بڑے لچکیلے انداز میں انور کی طرف جھکی جس پر انور نے بھی

اس کی تقلید کی۔ پھر دونوں بیٹھ گئے۔ سارجنٹ حمید رمونا سے اجازت لے کر اپنا پائپ سلگانے لگا۔

"مجھے تمباکو کے دھوئیں سے نفرت نہیں ہے۔" وہ مُسکرا کر بولی۔

"میں اس کے لیے تمہارا شُکر گزار ہوں۔" حمید نے کہا اور وہ بھی ایک خالی صوفے کے ہتھے پر بیٹھ گیا۔

"ہم ساحل تک کس طرح جائیں گے؟" ڈیگاریکا نے فریدی سے پوچھا۔

"یہ ساری باتیں مُجھ پر چھوڑ دو۔"

"شاید آپ کو معلوم نہیں۔" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "پولیس نے آپ کی گرفتاری کے لیے پانچ ہزار روپے کا انعام مقرّر کیا ہے۔ لہٰذا اس وقت آپ کو کوئی ایسی سڑک نہیں ملے گی جس پر گاڑیاں نہ روکی جارہی ہوں۔"

"اوہ۔۔۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ تُم لوگ بس دیکھتے رہو۔" فریدی نے کہا اور اُٹھ کر ٹہلنے لگا۔ پھر حمید کی طرف اشارہ کر کے ڈیگاریکا سے بولا۔ "میرا دوست

اپنی داڑھی صاف کر ہی چکا ہے اب میری بھی صاف ہو جائے گی۔"

"مجھے بہت افسوس ہو گا۔" ڈیگاریکا متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "اتنی شاندار داڑھی۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"کوئی بات نہیں پھر اُگ آئے گی۔"

حمید اس کی گفتگو میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔ اس کی نظریں رمونا کے ہونٹوں پر جمی ہوئی تھیں جن کا سُلگتا ہوا ابھار اس کے ہونٹوں میں سرسراہٹ پیدا کر رہا تھا۔

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔

"وہ کیا۔۔۔۔؟" فریدی نے اُسے گھور کر پوچھا۔

"یہی کہ اب ہم لوگ بقیہ زندگی یادِ خدا میں گزار دیں۔" حمید نے اتنی سنجیدگی

سے کہا کہ رمونا بے اختیار ہنس پڑی۔

"اور دوسری بات یہ کہ اب تُم میری اجازت کے بغیر ایک لفظ بھی نہ بولو گے۔"

فریدی نے اسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر اجازت ہو تو میں یہ عرض کروں کہ میں نے آپ کا کہا مان لیا ہے۔"

"شَٹ اپ۔۔۔!" فریدی چیخ کر بولا اور حمید دوسری طرف مُنہ پھیر کر مُسکرانے لگا۔ رمونا مُڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔

"اب ہمیں تیّاری شروع کر دینی چاہیے۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ پھر ڈیگاریکا سے کہنے لگا۔ "مجُھے تمہارا حلیہ بھی بدلنا پڑے گا ورنہ تمہاری رنگت بڑی دشواریاں پیدا کر دے گی۔ رمونا تو خیر اتنی زیادہ غیر یورپین نہیں معلوم ہوتی۔"

"تو کیا تُم میری رنگت بھی بدل دو گے؟" ڈیگاریکا حیرت کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

"یقیناً۔۔۔ ورنہ پھر میک اپ سے فائدہ ہی کیا۔"

”البرانو تُم اس دُنیا کے آدمی معلوم نہیں ہوتے۔“

”ہاں یہ فرشتہ ہیں۔“ حمید خشک لہجے میں بولا۔

”تُم پھر بولے۔“ فریدی اُسے گھورنے لگا۔

رمونا ہنس پڑی اور حمید بچگانے انداز میں طرح طرح کے مُنہ بنانے لگا۔

”تُم بہت دلچسپ آدمی ہو۔“ رمونا نے اس سے کہا۔

”اگر اجازت ہو۔“ حمید فریدی کی طرف مُڑ کر بولا۔ ”تو میں ان سے یہ کہوں کہ ہاں واقعی میں دلچسپ آدمی ہوں۔“

”خُدا کے لیے تُم باہر چلے جاؤ۔“ فریدی تنگ آ کر بولا۔

”شاید میرا دوست اب کُچھ بہت خوفناک قسم کی باتیں کرنے جا رہا ہے۔“ حمید نے رمونا سے کہا۔ ”اسی لیے یہاں میری موجودگی پسند نہیں کرتا۔ میں ابھی کم سِن ہوں نا۔۔۔۔ اچھّا میں تو چلا۔“

”ٹھیک ہے۔“ رمونا مُسکرا کر بولی اور وہ بھی اُٹھ کر حمید کے ساتھ چلی گئی۔

”میرا دوست نیک آدمی ہے مگر تھوڑا شریر بھی ہے۔“ فریدی نے ڈیگاریکا سے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

”بچّہ ہے بچّہ ہے۔“ ڈیگاریکا نے کہا۔ ”رمونا اپنے بھائی کی موت کی وجہ سے بہت پریشان تھی۔ اچھّا ہے اس کا دِل بھی بہل جائے گا۔“

اِس کے بعد سفر کے سِلسِلے میں ضروری اسباب کے متعلّق گفتگو ہونے لگی۔ پھر تھوڑی دیر بعد فریدی ڈیگاریکا کو میک اپ کے لیے دوسرے کمرے میں لے کر چلا گیا۔

انور چند لمحے تک ہال میں تنہا بیٹھا سگریٹ پیتا رہا۔ پھر وہ بھی اُٹھ کر ٹہلتا ہوا باہر برآمدے میں آگیا۔ داہنے طرف کے دریچے کے قریب رمونا اور حمید کھڑے باتیں کر رہے تھے۔

”تمہارا کیا نام ہے؟“ رمونا نے حمید سے کہا۔

”حمید یوف۔۔۔۔!“

”حمید یوف۔۔۔۔!“ رمونا نے دہرایا۔ ”مگر یہ نام پرتگالی تو معلوم نہیں ہوتا۔“

”میں دراصل زارِ روس کے خاندان سے تعلّق رکھتا ہوں۔“ حمید سنجیدگی سے بولا۔ ”میرا باپ سعید یوف زارِ روس کا رشتے کا بھتیجا لگتا ہے۔“

”اوہ تو تُم شاہی نسل سے ہو۔“

”ہاں انقلابِ روس کے بعد میرا باپ پرتگال چلا آیا تھا۔“ حمید نے کہا اور جھک کر پائپ سُلگانے لگا۔

انور سوچنے لگا کہ اب اس لڑکی کی خیر نہیں۔

”اور تمہارے حیرت انگیز دوست البرانو۔۔۔۔؟“ رمونا نے پوچھا۔

”وہ خالص پرتگالی ہے اور ایک معمولی کسان کا بیٹا۔“

”کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے۔“ انور چیخ کر بولا۔

”اوہ تُم۔۔۔۔!“ حمید مُڑ کر بولا۔ ”کیا تُم نے اندر شراب پی ہے؟ زیادہ چڑھ گئی ہے؟ تمیز سے بات کرو! خیر میں نے معاف کیا۔ رمونا یہ تمہاری شہزادی رومولی کا خادم ہے۔ اِس لیے میں اسے معاف کرتا ہوں۔ شاید البرانو نے اسے زیادہ پلا دی۔“

انور دانت پیسنے لگا۔ وہ کُچھ کہنے ہی جارہا تھا کہ اسے فریدی کی بات یاد آگئی۔ وہ خود کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”نہیں نہیں خادم نہیں۔“ رمونا جلدی سے بولی۔ ”یہ شہزادی صاحبہ کے دوست ہیں۔“

”خیر ہو گا۔۔۔۔ مُجھ سے کیا غرض۔“ حمید نے کہا۔ ”میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ آدمی نشے میں بالکل چُغد ہو جاتا ہے۔“

”میں نشے میں ہوں؟“ انور بگڑ کر بولا۔

”خیر خیر۔۔۔۔ میں کم رُتبہ آدمیوں کو مُنہ لگانا پسند نہیں کرتا۔“

"کم رُتبہ!" انور آستین چڑھاتا ہوا بولا، اور رمونا ان کے درمیان میں آگئی۔

"تُم لوگ یہ کیا کرنے لگے۔" رمونا نے کہا۔ "یہ جھگڑا کرنے کا وقت نہیں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" حمید آہستہ سے بولا اور پیچھے ہٹ گیا۔ انور تھوڑی دیر تک کھڑا اسے گھُورتا رہا۔ پھر مُٹھّیاں بھینچتا ہوا اندر واپس آیا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ سارجنٹ حمید سے اکثر اُس کی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ اور وہ آخر وقت تک ڈٹا رہتا تھا۔ مگر آج اس کی روح غم کی گہرائیوں میں غوطے کھا رہی تھی۔ اس کی ساری ظرافت اور بذلہ سنجی رُخصت ہو گئی تھی۔ طنز کے زہریلے تیر کُند ہو گئے تھے اور پھر وہ خود کو ایک معمولی آدمی تصوّر کرنے لگا تھا۔ اس کا دماغ صرف رشیدہ میں اُلجھ کر رہ گیا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی ذہانت اب کبھی واپس نہ ملے گی جیسے وہ ہمیشہ کے لیے ناکارہ ہو گیا ہو۔

ہال میں پہنچ کر وہ ٹہلنے لگا۔ اتنے میں فریدی نے اسے دوسرے کمرے میں آواز دی۔

”تُم نے اپنے انتظامات مکمّل کر لیے؟“

”مُجھے کوئی خاص انتظام نہیں کرنا ہے۔“ انور نے کہا۔ ”ضروریات کے لیے صرف ایک سوٹ اور ایک بستر کافی ہو گا۔“

”تو وہ سب کہاں ہیں۔“

”میں ابھی لاتا ہوں۔“

”جلدی کرو۔۔۔۔ تمہارا میک اپ بھی ضروری ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”پولیس تمہاری طرف سے مطمئن نہ ہو گی۔“

ایک گھنٹے بعد انور اپنے گھر میں ضروری سامان اکٹھّا کر رہا تھا۔ اس سے فُرصت پا کر وہ اپنی موٹر سائیکل لے آیا جس کی مرمّت ہو چکی تھی۔ اسے گیراج میں بند کرنے کے بعد اس نے سامان اٹھایا لیکن پھر سوچنے لگا سامان سمیت آشیانہ کی طرف لے جانا ٹھیک نہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی پیچھے لگ ہی جائے۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا سوچتا رہا پھر سامان لے کر نیچے اُترا۔ قریب ہی ایک ٹیکسی کھڑی تھی۔

”ہوٹل آر لکچنو۔۔۔۔!“ انور نے سامان رکھتے ہوئے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھنے ہی جا رہا تھا کہ غیر ارادی طور پر پیچھے کی طرف مُڑا۔ انسپکٹر آصف کھڑا مُسکرا رہا تھا۔

”ہوٹل آر لکچنو کیوں۔۔۔۔؟“ اس نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

”اوہ آصف۔۔۔۔!“ انور نے کہا۔ ”میں خطرے میں ہوں۔“

”یعنی۔۔۔۔!“

”میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ بتاؤں۔“

”ہوش میں آؤ۔۔۔۔ جگدیش نے تمہارے پیچھے آدمی لگا رکھے ہیں۔“

”ہوگا بھئی۔۔۔۔ لیکن وہ آدمی میری جان نہیں بچا سکیں گے۔ میں فی الحال گھر میں نہیں رہنا چاہتا۔“

”ڈرو نہیں۔“ آصف تشفی آمیز لہجے میں بولا۔ ”البرانو اب دوسری حرکت کی

ہمّت نہ کر سکے گا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس کی گرفتاری کے انعام کا اعلان کیا گیا ہے۔"

"مجھے سب کُچھ معلوم ہے مگر البرانو آدمی نہیں بھُوت ہے۔"

"یہ تُم کہہ رہے ہو!" آصف متحیّر ہو کر بولا۔

"اِس میں تعجّب کی بات نہیں۔ میں البرانو کے مُقابلہ میں ہمّت ہار چکا ہوں اور پھر ایسی صورت میں جب کہ یہ نہیں معلوم کہ وہ مُجھ سے کیوں اُلجھنا چاہتا ہے۔ میرے لیے بچاؤ کے امکانات ختم ہو گئے ہیں۔"

"تُم کل تک اُس کی لاش دیکھو گے۔" آصف نے کہا۔ "وہ جہاں بھی دکھائی دیا اسے گولی مار دی جائے گی۔ کیونکہ وہ غیر قانونی طریقے سے ملک میں داخل ہوا ہے۔"

"خیر بھئی۔۔۔۔ اسے اپنے ہی تک رکھنا کہ میں آر لکچنو میں مقیم ہوں۔ تُم مُجھ سے وہاں مل سکتے ہو کمرہ نمبر بانوے۔"

انور نے ٹیکسی میں بیٹھ کر دروازہ بند کر لیا اور ٹیکسی چل پڑی۔ اس کے مُنہ سے خواہ مخواہ آر لکچنو نکل گیا ورنہ ارادہ کُچھ اور تھا۔۔۔ بہر حال اُسے اِس اتّفاق پر خُوشی ہو رہی تھی کہ آصف دھوکہ کھا گیا۔ ڈرائیور دوسری طرف ٹیکسی موڑنے والا تھا کہ انور بولا۔

"آر لکچنو نہیں۔۔ گجراج گھاٹ۔"

ڈرائیور نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ انور کا خیال تھا کہ وہ لوگ گجراج گھاٹ ہی کی طرف جائیں گے۔ کیونکہ وہ ادھر سے غیر ممالک کی ناجائز درآمد و برآمد کے متعلّق پہلے ہی سُن چکا تھا۔ گجراج گھاٹ پہنچ کر اس نے سامان ایک چھوٹے سے ہوٹل میں اُتارا اور اسی ٹیکسی پر پھر شہر کی طرف روانہ ہوا۔ سرکلر روڈ کے موڑ پر اس نے ٹیکسی رکوائی۔ دس دس کے پانچ نوٹ ڈرائیور کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

"میں کہاں اُترا ہوں۔" انور نے ڈرائیور سے پوچھا جو ان نوٹوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

”آر لکچنو ہوٹل میں۔“ ڈرائیور مُسکرا کر بولا۔

”بہت خوب! سمجھ دار آدمی معلوم ہوتے ہو۔“ انور نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

”جی۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ پولیس والوں سے آپ کی چلتی رہتی ہے۔“

”کیا تُم مُجھے پہچانتے ہو۔۔۔؟“ انور چونک کر بولا۔

”ارے صاحب میں آپ کے قریب ہی رہتا ہوں۔“

”ٹھیک! بہت اچھّے۔ ہاں میں نے تمہیں کم تو نہیں دیا۔“

”نہیں صاحب بہت ہے۔“ ڈرائیور اپنا ہاتھ ماتھے کی طرف لے جاتا ہوا بولا۔ پھر اس نے ٹیکسی بیک کی اور انور آگے بڑھ گیا۔ تھوڑا چل کر وہ مُڑا۔۔۔ بہت دور ٹیکسی کی سُرخ روشنی تاریکی میں مدغم ہوتی جارہی تھی۔

دو فرلانگ پیدل چلنے کے بعد وہ آشیانہ کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوگیا۔

فریدی وغیرہ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ انور نے رمونا کو پہلے نہ دیکھا ہوتا تو یہی سمجھتا کہ وہ غَلَطی سے کسی دوسری عمارت میں گھُس آیا ہے۔ کیونکہ فریدی حمید اور ڈیگاریکا کی شکلیں بالکل بدلی ہوئی تھیں۔ فریدی کو اُس نے آواز سے پہچانا ورنہ یہ معلوم کرنا بھی دشوار تھا کہ ان میں سے فریدی کون ہے۔ اس نے ہندوستانی راجواڑوں کے راجپوت سرداروں جیسی شکل بنا رکھی تھی۔ سارجنٹ حمید اور ڈیگاریکا فوجی لباس میں تھے۔ انور کو سب سے زیادہ حیرت ڈیگاریکا کی رنگت دیکھ کر ہوئی۔ فریدی نے اسے گندمی رنگت کا ایک ہندوستانی بنا دیا تھا۔ سارجنٹ حمید اینگلو انڈین معلوم ہوتا تھا۔ انور نے دیر سے پہنچنے کا سبب بیان کیا اور فریدی ہنسنے لگا۔

"تمہارا اندازہ سو فیصدی صحیح ہے۔ ہم گجراج گھاٹ ہی کی طرف روانہ ہوں گے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن آپ لوگوں کے ساتھ میری موجودگی درست نہیں معلوم ہوتی ہے۔" انور نے کہا۔

”گھبراؤ نہیں۔ تمہارا بھی میک اپ کیا جائے گا۔ تمہارا وہی پادری والا پرانا میک اپ زیادہ درست رہے گا۔ آؤ میرے ساتھ۔“

فریدی انور کو دوسرے کمرے میں لے گیا۔ میک اپ کا سامان ایک بڑی سی میز پر بکھرا ہوا تھا۔ فریدی نے انور کے سر کے بالوں کی مناسبت سے اس کے چہرے پر سُرخی مائل داڑھی چپکا دی اور سوٹ کیس سے کتّھئی رنگ کا ایک گاؤن نکال کر پہنا دیا۔

اور پھر جب وہ باہر آئے تو ڈیگاریکا بے اختیار اچھل پڑا۔

”البر انو تُم سچ مچ اس قابل ہو کہ پُوجے جاؤ۔“

”میں نے ایسا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔“ رمونا بولی۔

”اور مُجھ جیسا آدمی۔۔۔۔!“ حمید نے پوچھا۔

”تُم آدمی کب ہو۔“

”کیا مطلب۔۔۔۔!“

”مطلب یہ کہ تُم آدمی نہیں شہزادے ہو۔“ رمونا نے شوخ مُسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

فریدی پھر اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ہاتھوں میں سوٹ کیس لٹکائے ہوئے واپس آیا۔

”ہماراضروری سامان پہلے ہی گجراج پہنچ چکا ہے۔“ فریدی نے انور سے کہا۔

وہ سب مکان سے باہر آئے۔ تھوڑی دور پیدل چلنے کے بعد انہیں ایک ٹیکسی مل گئی۔ راستے میں کئی پولیس والوں نے انہیں روکا اور ڈیگاریکا کو یہ دیکھ کر اور حیرت ہوئی کہ البرانو ہندوستانی زبان میں بھی گفتگو کر سکتا ہے۔

گجراج گھاٹ پہنچ کر انور کو پھر اپنی صحیح شکل میں آجانا پڑا۔ کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنا سامان نہیں لے سکتا تھا۔

ایک کافی بڑی موٹر بوٹ سمندر کی پُر سکون سطح پر ان کا انتظار کر رہی تھی۔

سامان پار کر دیا گیا اور وہ اطمینان سے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ موٹر بوٹ کافی طویل و عریض تھی جس کے درمیان میں ایک بڑا سا کیبن تھا۔ کیبن دو حصوں میں منقسم تھا۔ ایک حصّہ مسافروں کے لیے تھا اور دوسرا موٹر بوٹ کے عملہ کے لیے۔

اسٹر وکر نے انجن اسٹارٹ کیا ہی تھا کہ گھاٹ پر کئی ٹارچوں کی روشنیاں دکھائی دیں یہ کسی قسم کا اشارہ تھا جس پر انجن بند کر دیا گیا۔ بھاری بھاری قدموں کی آوازیں نزدیک آتی محسوس ہو رہی تھیں۔ دفعتاً دو پولیس انسپکٹر اور کُچھ کانسٹیبل موٹر بوٹ پر چڑھ آئے۔

"کہاں جائیے گا۔" ایک پولیس انسپکٹر نے بھاری بھر کم آواز میں پوچھا۔

"ریاست دیر گڑھ۔" فریدی پُر غرور آواز میں بولا۔ "یہ ریاست کی سرکاری موٹر بوٹ ہے۔"

"سامان کِدھر ہے۔"

”کیوں اپنا اور ہمارا وقت برباد کرتے ہو۔ ہم کوئی چیز ناجائز طور پر نہیں لے جا رہے ہیں۔“ فریدی نے کہا اور انسپکٹر اسے گھورنے لگا۔

”تمہارا نام۔۔۔۔!“

”کرنل رگھو راج سنگھ۔۔۔۔!“ فریدی پُر وقار انداز میں اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

”اوہ معاف کیجیے گا۔۔۔۔راجہ صاحب۔“

پولیس والے موٹر بوٹ سے اُتر گئے۔ انجن پھر اسٹارٹ ہوا اور موٹر بوٹ سمندر کے بپھرے سینے پر فرّاٹے بھرنے لگی۔

”کیا بات تھی۔“ ڈیگاریکا نے پوچھا۔

”کوئی خاص بات نہیں۔“ فریدی مُسکرا کر بولا۔ ”میں نے انہیں ہنکا دیا۔“

”اب خواہ مخواہ جاگتے رہنا فضول ہے۔“ رمونا اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی

طرف دیکھ کر بولی۔

"میں تمہارے اس خیال کی قدر کرتا ہوں۔" حمید مُسکرا کر بولا۔ "مگر البرانو کھڑے کھڑے سونے کا عادی ہے۔"

"کھڑے کھڑے۔۔۔!" رمونا نے متحیّر ہو کر پوچھا۔

"ہاں اور ایک آنکھ سے جاگتا رہتا ہے یعنی کہ یوں۔" حمید نے رمونا کی طرف دیکھ کر ایک آنکھ بند کرتے ہوئے کہا اور رمونا جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"ارے کم بخت تُم اِس کے باپ کے سامنے اِسے آنکھ مار رہے ہو۔" فریدی جھلّا کر اُردُو میں بڑبڑایا۔

"ڈیگاریکا۔۔۔ البرانو اِس طرح سوتا ہے۔" حمید نے ڈیگاریکا کو بھی آنکھ ماری اور ڈیگاریکا بے اختیار ہنس پڑا۔

"البرانو تمہارا ساتھی بہت پیارا ہے۔" ڈیگاریکا نے کہا۔

”بہت۔۔۔۔!“ فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

رمونا نے ایک سوٹ کیس سے شب خوابی کا لباس نکالا اور غُسل خانے کی طرف چل پڑی۔

”البرانو تُم کتنی زبانیں جانتے ہو۔“ ڈیگاریکا نے فریدی سے پوچھا۔

”دُنیا کی کئی مشہور زبانیں۔۔۔۔ میں ہمیشہ کُچھ نہ کُچھ سیکھتا رہتا ہوں۔“

”مُجھے حیرت ہے۔“

”کیوں۔۔۔۔؟“

”یورپ کی زبانیں قریب قریب ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ اس لیے یورپین کے لیے ان کا سیکھنا زیادہ مُشکل نہیں۔ لیکن مشرقی زبانیں تُم نے کس طرح سیکھیں۔ جبکہ ان کا رسم الخط یورپین رسم الخط سے بالکل مختلف ہے۔“

”میں صرف بول سکتا ہوں لکھ نہیں سکتا۔“ فریدی نے کہا۔

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تُم عرصے تک مشرق میں رہے ہو۔“

”ہاں۔۔۔۔ آں۔۔۔۔ میں تو ایک سیلانی آدمی ہوں۔ مشرق و مغرب شمال و جنوب میرے لیے ایسے ہیں جیسے کسی مکان کے چار کمرے۔“

ڈیگاریکا اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اسے یقین نہ آیا ہو پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”تُم بہر حال ایک حیرت انگیز آدمی ہو۔“ رمونا شب خوابی کے لباس میں غُسل خانے سے بر آمد ہوئی۔ اس کی بڑی بڑی نیلگوں آنکھیں نیند سے بوجھل نظر آ رہی تھیں۔ سیاہ رنگ کا ریشمی لبادہ اس کی نقرئی گردن میں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کالی رات ابھرتے ہوئے اُجالے کو ڈسنے کی کوشش کر رہی ہو۔ حمید نے ایک طویل انگڑائی لی اور انور کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اس کے کان میں آہستہ سے بولا۔

”قیامت ہے۔“

"تُم چُغد ہو۔“ انور بُرا سا مُنہ بنا کر بولا۔

”اور تُم۔۔۔۔!“

”اُلّو کا پٹھّا۔۔۔۔!“ انور جھلّا کر بولا۔ اُس کا دماغ پتھّر کی سِل ہو گیا تھا۔ نہ جانے کیوں اُسے یہ سفر انتہائی مضحکہ خیز معلوم ہونے لگا تھا۔ الف لیلیٰ کے سندباد جہازی کا سفر۔ کسی سستے ناول کے ہیرو کا روایتی سفر۔۔۔۔ ایسا سفر جو پڑھنے والوں کی گھٹیا مذاق کی تسکین کے لیے تشکیل دیا جاتا ہے۔ اسے اپنی ذات پر یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ ایک ایسے ہی سفر میں مبتلا ہو گیا ہے کہ اگر وہ کسی ایسے سفر کے متعلّق کسی کتاب میں پڑھتا تو بے تکان اسے کھڑکی سے باہر سڑک پر پھینک دیتا۔

ہم شبیہہ

بحرین پہنچ کر فریدی اور حمید اپنی اصل شکلوں میں آ گئے۔ انور نے بھی پادری کا لباس اتار ڈالا۔ لیکن ڈیگاریکا کو احتیاطاً ایک ہندوستانی ہی کے لباس میں رہنے دیا گیا۔ ڈیگاریکا کے پاس اُس کے بیٹے اور بیٹی کے پاسپورٹ تھے۔ یہاں سے فریدی اور حمید بھی اپنے بین الاقوامی پاسپورٹ استعمال کر سکتے تھے۔ اب سوال انور کا رہ گیا تھا۔ اس کے لیے شاید فریدی نے کوئی تدبیر سوچ لی تھی۔ غالباً اس لیے ڈیگاریکا وغیرہ کو اطمینان دلاتا رہا تھا۔

فریدی کا خیال تھا کہ ڈان ونسنٹ وغیرہ بھی فرار کے لیے بحرین کا راستہ اختیار

کریں گے۔ یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ یہاں سے گزر گئے یا ابھی پُہنچے ہی نہیں۔

انور ڈیگاریکا اور رمونا کو ایک ہوٹل میں چھوڑ کر فریدی اور حمید ڈان ونسنٹ کا پتہ لگانے کے لیے نکل گئے۔ انور دِن بھر ڈیگاریکا سے اُلٹے سیدھے سوالات کرتا رہا۔ وہ دراصل ڈیگاریکا کے بیان کی طرف سے مطمئن نہیں ہوا تھا۔

"ہم لوگ جمہوریت کو مضحکہ خیز تصوّر کرتے ہیں۔" ڈیگاریکا نے کہا۔ "اسی لیے ہمارے یہاں ابھی تک شہنشاہیت قائم ہے۔ لیکن ہماری شہنشاہیت تمہاری جمہوریت سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔"

"اسی لیے تمہارا موجودہ حکمران تخت کے جائز وارث کے قتل کی کوشش کر رہا ہے۔" انور طنزیہ لہجے میں بولا۔

"اوہو۔۔۔ کیا تمہاری جمہوریت کا دامن اس بد نُما داغ سے پاک ہے؟ کیا تمہارے یہاں ایمان دار لیڈر قتل نہیں کیے جاتے؟ شہنشاہیت میں تو صرف

ایک نالائق سے دوچار ہونا پڑتا ہے لیکن جمہوریت میں نالائقوں کی ایک پوری ٹیم وبالِ جان بن جاتی ہے۔ ایک نالائق سے پیچھا چھڑانا آسان ہے لیکن پوری ٹیم سے نپٹنا مُشکل ہو جاتا ہے اور پھر ہمارے ملک کا دستور کُچھ اِس قسم کا ہے کہ شہنشاہ اور رعایا ہر حال میں ایک دوسرے کے پابند ہوتے ہیں۔ تُم دیکھو گے کہ ہم کس آسانی سے اپنے موجودہ حکمران کو معزول کر دیتے ہیں۔"

انور تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"لیکن تمہاری قوم کب تک چھپی رہے گی۔"

"اس کے متعلّق میں کُچھ نہیں کہہ سکتا۔" ڈیگاریکا فکر مندانہ انداز میں بولا۔

"ہو سکتا ہے تُم ہی لوگوں کا وجود ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو۔۔۔۔ نہ جانے کیوں مُجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ البرانو کی مدد کے بغیر شہزادی کو نہ پا سکیں گے۔"

"حقیقت تو یہ ہے کہ مُجھے اب بھی تمہارے بیان پر شُبہ ہے۔"

”یعنی۔۔۔۔!“

”تمہارا بیان کردہ جزیرہ مُجھے بالشتیوں کی سرزمین معلوم ہو رہا ہے۔“

”تُم خود دیکھ لوگے۔“ ڈیگاریکا مُسکرا کر بولا۔

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔

”اور اگر میرا بیان درست ہے تو پھر میں چند غیر مُلکیوں کو خواہ مخواہ کیوں پریشان کر رہا ہوں۔ کیا تُم مُجھے صحیح الدّماغ نہیں سمجھتے۔“ ڈیگاریکا نے سنجیدگی سے کہا۔

پانچ بجے شام کو فریدی اور حمید واپس آئے۔ حمید نے اپنے فِلٹ ہیٹ میں کاغذ کا ایک بہت بڑا پھول لگا رکھا تھا اور دونوں جیبیں چاکلیٹوں اور ٹافیوں سے بھر رکھی تھیں۔

”اس وقت تُم سچ مچ روسی شہزادے معلوم ہو رہے ہو۔“ رمونا طنزیہ لہجے میں بولی۔

”روسی شہزادے۔“ فریدی حمید کی طرف تعجّب آمیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

”گڑبڑ مت کیجیے۔“ انور آہستہ سے اُردُو میں بولا۔ ”حمید اُس سے کہہ چکا تھا کہ وہ زارِ روس کے خاندان سے تعلّق رکھتا ہے۔“

فریدی نے بُرا سا مُنہ بنایا اور ڈیگاریکا کی طرف متوجّہ ہو گیا۔ ”ڈان ونسنٹ اور اُس کے ساتھی کل یہاں پُہنچے تھے اور کل ہی کسی نامعلوم جگہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ وہ پانچ تھے۔“

”پانچ۔۔۔۔!“

”ہاں۔۔۔۔ لیکن ان میں کوئی عورت نہیں تھی۔“

”اوہ تو کیا انہوں نے اسے مار ڈالا ہے؟“ ڈیگاریکا بے چینی سے بولا۔

”میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ ان کے ساتھ ایک بُوڑھا مریض تھا جو بحرین کے ساحل پر بے ہوشی کی حالت میں اُتارا گیا تھا۔“

"بُوڑھا مریض۔۔۔۔!" ڈیگاریکا حیرت ظاہر کرتا ہوا بولا۔ "میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ انہوں نے رشیدہ کو بے ہوش کر کے اُس پر بُوڑھے کا میک اپ کر دیا ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔" ڈیگاریکا کُچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ڈان ونسنٹ شاہی محکمہ سُراغ رسانی کا افسرِ اعلیٰ ہے۔"

"وہ لوگ اسٹار کمپنی کی ایک دُخانی کشتی میں روانہ ہوئے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اسٹار کمپنی کی کشتیاں صرف بحرِ روم تک چلتی ہیں۔"

"اوہ۔۔۔۔!" ڈیگاریکا اُچھل کر بولا۔ "تب وہ یقیناً جبرالٹر میں اُتریں گے۔ جبرالٹر میں ہماری ایک خُفیہ ایجنسی ہے۔"

"تو پھر آج رات کو ہم بھی روانہ ہو رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"مگر انور کا کیا ہو گا؟ وہ کس طرح سفر کرے گا؟" ڈیگاریکا تشویش آمیز لہجے میں

بولا۔

”میں سب کُچھ کرلوں گا۔“ فریدی نے کُچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ہاں ایک بات یہ بتاؤ تمہارے بیٹے کی آنکھوں کی رنگت کیسی تھی؟“

”سبز۔۔۔!“ ڈیگاریکا تھوڑی دیر بعد گلوگیر آواز میں بولا۔

”اور بالوں کی۔۔۔؟“

”سُرخی مائل۔“

فریدی تھوڑی دیر تک کھڑا کُچھ سوچتا رہا۔ پھر غُسل خانے میں چلا گیا۔ اِس دوران میں حمید اور رمونا ٹافیاں کھاتے رہے۔ حمید نے دو چار انور کی طرف بھی بڑھائیں لیکن اس نے ہونٹ سکوڑ کر دوسری طرف مُنہ پھیر لیا۔

”البرانو تو اب بالکل جوان معلوم ہوتا ہے۔“ رمونا نے کہا۔

”قطعی نہیں۔۔۔ وہ پچاس برس کا ہے۔“ حمید جلدی سے بولا۔

”بعض اوقات تُم سفید جھوٹ بولتے ہو۔“ رمونا نے مُنہ بنا کر کہا۔

”بحرین بڑی حسین جگہ ہے۔“حمید نے بات اُڑادی۔

”مُجھے تو پسند نہیں۔“

”پھر تمہیں کیا پسند ہے۔“

شلجم کا مربّہ۔۔۔!“ رمونا نے کہا اور حمید بے ساختہ ہنس پڑا۔

اتنے میں فریدی واپس آ گیا اور رمونا نے شرارت آمیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

”البرانو۔۔۔ یہ کہتا ہے کہ تُم پچاسی برس کے ہو۔“

”ٹھیک کہتا ہے۔“فریدی نے مُسکرا کر کہا۔

”البرانو میں تمہاری اصل شکل دیکھنا چاہتا ہوں۔“ڈیگاریکا نے کہا۔

”تُم مُجھے اِس وقت میری اصل ہی صورت میں دیکھ رہے ہو۔“

”تب تو تُم تیس سال سے زیادہ کے نہیں ہو سکتے۔“ رمونا نے کہا۔

”ممکن ہے تمہارا خیال صحیح ہو۔“ فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔

”کیوں؟“ وہ حمید کی طرف مُڑی۔ ”تمہارا جھوٹ ظاہر ہو گیا نا!“

”اوہ۔۔۔! تو اگر تیس ہی سال کے ہیں تو کون سے بڑے تیس مار خاں ہیں۔“

حمید نے مُنہ بنا کر کہا۔

”تیس مار خاں کیا چیز؟“

”تیس مار خان ہماری طرف اُسے کہتے ہیں جو روزانہ تیس مکھّیاں مار لیتا ہو۔ اِس لیے وزیرِ صحت کو بھی تیس مار خاں کہتے ہیں۔“

رمونا ہنسنے لگی۔

”مُجھے اب تمہاری کسی بات پر اعتبار نہیں رہا۔“ رمونا نے کہا پھر فریدی کو مخاطب کر کے بولی۔ ”یہ کہہ رہا ہے کہ تُم ایک معمولی کسان کے بیٹے ہو اور خود یہ زارِ

روس کے خاندان سے تعلّق رکھتا ہے۔"

"ٹھیک کہتا ہے۔" البرانو نے کہا اور سِگار سُلگانے لگا۔ وہ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"البرانو ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔" ڈیگاریکا کُچھ سوچتا ہوا بولا۔ "آخر تُم میرے لیے اتنی تکلیفیں کیوں اٹھا رہے ہو؟"

"میں تُم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔ "مُجھے ڈان ونسنٹ اور الفریڈو کی گردنیں توڑنی ہیں۔ انہوں نے لندن کے ایک نائٹ کلب میں میری سخت توہین کی تھی۔"

"تو ڈان ونسنٹ کا یہ بیان صحیح تھا کہ اس کا لندن میں چند پرتگالیوں سے جھگڑا ہو گیا تھا۔"

"بالکل صحیح تھا۔" فریدی نے کہا۔ "تُم ذرا اپنا پاسپورٹ مُجھے دے دو۔"

"کیوں؟ کیا کرو گے۔"

”مجھے تمہارے لڑکے کی تصویر چاہیے۔“

ڈیگاریکانے فریدی کو پاسپورٹ دے دیا۔

”انور ادھر آؤ۔“ فریدی نے انور کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور پھر دوسرے کمرے میں پہنچ کر اس کی طرف مُڑا۔ ”مُجھے خُوشی ہے کہ اس وقت آنکھوں کی رنگت کام آگئی۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”تمہاری آنکھیں بھی سبز ہیں۔ میں تمہیں ڈیگاریکا کا لڑکا بناؤں گا۔۔۔ اس طرح تُم اس کے پاسپورٹ پر سفر کر سکو گے۔“

انور حیرت سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ فریدی پھر بولا۔

”میں خود اِس گھٹیا قسم کے بہروپ سے تنگ آگیا ہوں۔ مگر کیا کروں بعض اوقات مجبور ہو جانا پڑتا ہے۔ بہر حال ڈان ونسنٹ کی حماقتیں ہمارے کام آرہی ہیں۔“

”یعنی۔۔۔۔!“

”اگر وہ ڈیگاریکا کے لڑکے کو قتل کر کے اس کی شکل نہ بگاڑ دیتا تو میں کبھی اس کی ہمّت نہیں کر سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ مقتول کی تصویریں اخبارات میں ضرور شائع ہوتیں اور پھر تُم اس کے پاسپورٹ کے ذریعے سفر نہ کر سکتے۔“

فریدی نے سوٹ کیس سے میک اپ کا سامان نکالنا شروع کیا۔ پھر انہیں ایک میز پر پھیلا کر انور کی طرف مُڑا۔

”بعض اوقات مُجھے اِس بھان متی کے سوانگ پر ہنسی آنے لگتی ہے۔ کیا حماقت ہے۔“ فریدی نے مُسکرا کر کہا۔

”خیر اس کُرسی پر بیٹھ جاؤ۔۔۔۔ ممکن ہے تمہیں تھوڑی سی تکلیف بھی ہو، پلاسٹک میک اپ میں کبھی کبھی زخم بھی آ جاتے ہیں۔ مگر میں حتّیٰ الامکان احتیاط برتوں گا۔“

تھوڑی دیر بعد انور کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کے ہونٹ چھیلے جا رہے ہوں

لیکن وہ ضبط کیے بیٹھا رہا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد فریدی نے اُسے ایک آئینے کے سامنے کھڑا کر دیا۔ انور بے اختیار چونک پڑا۔ ڈیگاریکا کا پاسپورٹ اس کے ہاتھ میں تھا۔ کبھی وہ اُس کے لڑکے کی تصویر کی طرف دیکھتا اور کبھی آئینے کی طرف۔

"کمال کر دیا۔۔۔۔!" وہ فریدی کی طرف مُڑ کر بولا۔ "اس فن میں بھی شاید ہی کوئی آپ کی ٹکّر کا نکلے۔"

پھر وہ دونوں اُس کمرے میں آئے جہاں ڈیگاریکا وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ انور کو دیکھتے ہی ڈیگاریکا اور رمونا اُچھل پڑے۔

"میرا بچّہ۔۔۔۔!" ڈیگاریکا بے اختیار چیخا اور پھر متحیّر ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"یہ انور ہے۔" فریدی نے کہا اور ڈیگاریکا کے چہرے پر گہری اداسی پھیل گئی۔

رمونا رو رہی تھی۔ ڈیگاریکا کے ہونٹ کپکپانے لگے اور اس نے اپنا چہرہ دونوں

ہاتھوں سے چھپالیا۔

”ڈیگاریکا۔۔۔!“ فریدی غمناک آواز میں بولا۔ ”مُجھے افسوس ہے لیکن اس کے سوااور کوئی چارہ نہیں تھا۔“

”میں اِس حالت میں سفر کیسے کر سکوں گا؟“ ڈیگاریکا گھٹی گھٹی آواز میں بولا۔

”ہمّت سے کام لو۔“ فریدی نے کہا۔ ”تُم مرد ہو۔۔۔اور ایک جنگجُو سپاہی۔“

”رمونا کیسے زندہ رہ سکے گی؟ اس کے مُردہ بھائی کے ہم شبیہہ!“ ڈیگاریکا کی آواز حلق میں پھنس گئی۔

”میں دِل پر پتھّر رکھ لوں گی۔“ رمونا تن کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی بھیگی ہوئی آنکھوں سے غُصّے کی آنچ نکل رہی تھی۔ اس نے نِچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا اور پھر پُر وقار آواز میں بولی۔ ”ہمیں اولیاری کے قتل کا انتقام لینا ہے۔ میں ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھیوں کے خون سے اپنے گھنگھریالے بالوں کو سُرخ کروں گی۔ ان کی ہڈّیاں چباؤں گی۔ اولیاری کا ہم شکل میرے زخم تازہ رکھے گا۔

انتقام کی آگ بھڑک اٹھے گی اور میں ڈان ونسنٹ پر ذرّہ برابر بھی رحم نہ کروں گی۔"

پھر وہ جوش میں بھری ہوئی بیٹھ گئی۔ ڈیگاریکا کُرسی کی پشت سے ٹِکا ہوا چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کمرے کی فضا پر ایک بوجھل سی خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ انور کو اپنے دِل کی دھڑکنوں کی دھمک کنپٹیوں میں محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ ایک طرف بیٹھ گیا۔

پھر کئی گھنٹے تک اِن کمروں میں ماتمی اثرات چھائے رہے۔

اس دوران میں فریدی بہت زیادہ مشغول رہا۔ اس کے سامنے ایک بہت بڑا نقشہ پھیلا ہوا تھا جس پر وہ پینسل سے نشانات لگا رہا تھا۔ اس نے کئی چارٹ بھی بنائے تھے جنہیں وہ ایک ایک کر کے پھاڑ کر پھینکتا جا رہا تھا۔ آخر کار وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک کُچھ سوچتا رہا پھر ایک سِگار سُلگا کر اُس کمرے میں آیا جہاں ڈیگاریکا وغیرہ دوسرے سفر کی تیّاریاں کر رہے تھے۔

”میں اک دُخانی کشتی کا انتظام کرنے جا رہا ہوں۔“ فریدی نے اس سے کہا۔ ”تُم اپنے انتظام مکمّل رکھو۔“

”میں بھی چلوں۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔!“ فریدی نے کہا اور باہر نکل گیا۔

انور محسوس کر رہا تھا کہ ڈیگاریکا اور رمونا اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔ اس لیے اس نے وہاں بیٹھنا مناسب نہ سمجھا۔

رات آہستہ آہستہ بھیگتی جا رہی تھی۔ انور اُکتا دینے والی خاموشی سے تنگ آ گیا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ لاشوں اور سوکھی ہوئی ہڈّیوں کے ڈھانچے کے درمیان وقت گزار رہا ہے۔ حالانکہ اُسے حمید کے قہقہوں سے ضِد سی تھی لیکن اِس وقت اس کا دِل چاہ رہا تھا کہ کاش وہی اِس قبرستانی فضا کا خاتمہ کر دیتا۔

ایک بجے فریدی واپس آ گیا تھا۔ کشتی کا انتظام ہو گیا تھا اور اب رات ہی رات وہاں سے روانگی کی تجویز پر غور کیا جا رہا تھا۔ آخر فریدی ہی کی رائے پر سب کو

متفق ہونا پڑا۔ سامان ایک اسٹیشن ویگن پر رکھا گیا اور وہ سب ساحل کو روانہ ہو گئے۔

"تُم آخر اتنے خاموش کیوں ہو۔" انور نے حمید سے پوچھا۔

"تُم لوگوں نے میری زندگی برباد کر دی۔" حمید بسور کر بولا۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"فریدی صاحب کو مُجھ سے ضِد ہو گئی ہے۔" حمید نے کہا۔

"آخر بات کیا ہے؟"

"تمہیں اولیاری کی شکل میں لانے کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں تھی۔" حمید جھلّا کر بولا۔ "ظاہر ہے کہ اب رمونا کی مُسکراہٹیں بے جان ہو کر رہ جائیں گی۔"

"اوہ! یہ بات ہے۔ حمید تُم بڑے ڈیوٹ ہو۔"

"کسی خوبصورت عورت کی زندگی سے بھرپور مُسکراہٹ میری جنّت ہے۔"

"تُم خاصے احمق ہو۔" انور مُنہ بنا کر بولا۔

"اور مُجھ سے بھی زیادہ احمق تُم ہو کہ ایک عورت ہی کے لیے موت کے مُنہ میں کُودنے جا رہے ہو۔" حمید نے تلخ لہجے میں کہا۔ انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں گھور رہا تھا۔

حمید کا عشق

بحرین سے جبرالٹر تک کے بحری سفر میں کوئی قابلِ ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ آہستہ آہستہ رمونا اور ڈیگاریکا کی افسردگی دور ہوتی جا رہی تھی۔ اس دوران میں وہ سب ایک دوسرے سے کافی بے تکلّف ہو گئے تھے۔ جبرالٹر پہنچ کر فریدی نے ڈیگاریکا سے وہ مقامات معلوم کیے جہاں اس کے مُلک کی خُفیہ ایجنسی کے افراد رہتے تھے۔ اس کے بعد وہ اور حمید ڈان ونسنٹ کی سُراغ رسانی میں مصروف ہو گئے۔

انور ڈیگاریکا اور رمونا کے ساتھ ٹھہرا رہا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ فرصت کے

لمحات میں رمونا زیادہ تر غیر مُستقل مزاج اور کھلنڈری لڑکی ہے۔ لیکن وہ اِس غَلَط فہمی میں ابھی تک مُبتلا تھی کہ حمید سچ مچ زارِ روس کے شاہی خاندان سے تعلّق رکھتا ہے۔

"لیکن مُجھے اس پر یقین نہیں کہ البرانو نِچلے طبقے سے تعلّق رکھتا ہے۔" رمونا نے انور سے کہا۔

"میں بھلا اس کے متعلّق کیا بتا سکتا ہوں۔" انور نے کہا۔

"ہاں میں بھی محسوس کرتی ہوں کہ البرانو ایک لاپرواہ آدمی ہے۔ شاید وہ کبھی سوچتا ہی نہیں کہ دوسرے اس کے متعلّق کیا خیال رکھتے ہیں۔ بعض اوقات میں سوچنے لگتی ہوں کہ وہ شاید کسی دوسری دُنیا کا آدمی ہے۔ میں نے ابھی تک اس کے چہرے پر تھکن کے آثار نہیں دیکھے۔ حالانکہ اس سفر نے ہمارا کچومر نکال دیا ہے۔"

انور کُچھ نہ بولا۔ رمونا تھوڑی دیر بعد پھر کہنے لگی۔

”ڈان ونسنٹ میری قوم کا بہادر ترین آدمی ہے۔ تیغ زنی میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اس کی حیرت انگیز صلاحیتوں کے متعلّق افسانے مشہور ہیں۔ مگر البرانو نے اُسے بھی شکست دے دی تھی اور اب وہ اسے جان سے مارنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ڈان الفریڈو ایک مشہور پہلوان ہے لیکن وہ سب محض البرانو کے خوف سے دُم دبا کر بھاگ نکلے۔“

انور رشیدہ کے متعلّق گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ اس نے رمونا کو دیکھ کر پوچھا۔

”تُم اِس سے پہلے بھی سینورا رومولی سے مل چکی ہو۔“

”نہیں میں نے انہیں آج تک نہیں دیکھا۔“

”تو کیا اسے تمہارے جزیرے کا حکمران بنا دیا جائے گا۔“

”ہاں۔۔۔!“

”لیکن تُم اِس کے لیے کیا ثبوت پیش کرو گی کہ وہ شہزادی رومولی ہے۔ کیونکہ تمہاری قوم تو یہ جانتی ہے کہ وہ بچپن ہی میں قتل کر دی گئی تھی۔“

”ہماری قوم کی ایک بہت بڑی شخصیت اس راز سے واقف ہے۔ ہمارا مذہبی پیشوا مقدّس باپ پطرس۔۔۔۔!“

”اور اگر حاکمِ وقت نے اُسے بھی جھٹلا دیا تو۔“ انور نے سگریٹ سُلگاتے ہوئے پوچھا۔

”وہ مقدّس باپ کو جھٹلانے کی ہمّت نہیں کر سکتا۔“

”یہ کہو رائے عامہ بدلتے دیر نہیں لگتی، اور پھر حکمرانوں کے ہتھکنڈے! ہو سکتا ہے مقدّس باپ کی ایسی پوزیشن ہو جائے کہ عوام ہی اسے جھوٹا سمجھنے لگیں۔“

رمونا خاموش ہو گئی پھر تھوڑی دیر بعد بولی۔

”میں اِس سے زیادہ نہیں جانتی۔ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہو گی جبھی تو میرا باپ جدوجہد کر رہا ہے۔“

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ڈیگاریکا آ گیا۔ انور نے اپنے سوالات دہرانے شروع کئے۔ ڈیگاریکا خاموشی سے سُنتا رہا۔ پھر مُسکرا کر بولا۔

”بیٹے اگر اس کے امکانات نہ ہوتے تو میں اتنی جدوجہد کیوں کرتا؟ میں یہ کیوں چاہتا کہ ڈان ونسنٹ کو دارالحکومت پہنچنے سے پہلے ہی پکڑ لیا جائے؟ میں اپنے ساتھ غیر ملکیوں کو کیوں لے جاتا جبکہ یہ حرکت بغاوت کے مترادف ہے۔“

”میں انہیں امکانات کے متعلّق معلوم کرنا چاہتا ہوں۔“

”رومولی کے جسم پر ایک ایسا نشان موجود ہے جو شاہی خاندان کے افراد کے علاوہ اور کسی کے جسم پر نہیں ہوتا۔“ ڈیگاریکا نے کہا۔

انور بے اختیار ہنس پڑا۔

”ڈیگاریکا میں بچّہ نہیں ہوں۔“ انور نے کہا۔ ”مُجھے حیرت ہے کہ البرانو جیسا دانش مند آدمی تمہارے چکّر میں کس طرح پھنس گیا۔ بہر حال اس نے میری بھی مٹّی پلید کی۔“

”کیوں؟ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا" ڈیگاریکا ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

”ایسی کہانیاں میں ہالی وُڈ کی گھٹیا فلموں میں دیکھ چکا ہوں۔“ انور مُسکرا کر بولا۔

”غالباً ایک کا نام تو مُجھے اب تک یاد ہے شہنشاہ سلیمان کا خزانہ۔ رائیڈر ہیگرڈ کے ناول کا پلاٹ جس میں افریقہ کے شکاری کوارٹر میں کو ایک ایسا خبطی ملا تھا جس کے سینے پر شاہی نشان تھا۔“

”تمہاری بے اعتباری کی وجہ میں نہیں سمجھ سکتا۔“ ڈیگاریکا خُشک لہجے میں بولا۔ ”حالانکہ میں تمہارے سامنے ہی شہزادی رمولی سے مل چُکا ہوں۔ اگر تُم اسے سمجھتے ہو تو یہ بتاؤ کہ وہ میرے ساتھ جانے کے لیے کیوں تیّار ہو گئی تھی۔ میرا اس کی ذات سے کیا تعلّق ہو سکتا ہے۔“

انور خاموش ہو گیا۔ اسے اپنی حماقت پر غصّہ آنے لگا۔ ڈیگاریکا نے قاعدے کی بات کہی۔ اگر واقعی رشیدہ ہندوستانی تھی تو اس کا ایک غیر ملکی سے کیا تعلّق ہو سکتا ہے۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے خواہ مخواہ ڈیگاریکا کو کبیدہ خاطر کر دیا۔

”مُجھے افسوس ہے۔“ انور بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”حالات ایسے پیش آ رہے ہیں کہ میرا دماغ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھا ہے۔ اگر میری باتوں سے

تمہیں تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔"

"نہیں بیٹے۔ کوئی بات نہیں۔ میں سمجھتا ہوں اور تمہارے لیے بھی فکر مند ہوں۔ رومولی تمہیں کس طرح چھوڑنا نہ چاہے گی اور مُجھے کیا کرنا ہو گا۔"

"میں چاہتا ہوں کہ کوئی غیر ملکی تمہارے جزیرے میں نہیں رہ سکتا۔" انور نے کہا۔ "میں تو صرف رشیدہ کی زندگی کا خوش مند ہوں میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں اور بس۔"

"تُم نیک اور شریف آدمی ہو۔"

"لیکن مُجھے خوف ہے کہ ڈان ونسنٹ اُسے راستے ہی میں نہ ختم کر دے۔" انور نے تشویشناک لہجے میں کہا۔

"مُجھے یقین ہے کہ وہ اسے زندہ ہی لے جائے گا۔ کیونکہ فاگان ایک بار دھوکہ کھا چکا ہے۔"

"فاگان کون۔۔۔؟" انور نے پوچھا۔

”ہمارا حکمران فاگان کہلاتا ہے۔ رومولی فاگانیہ کہلائے گی۔ بیرن آئی لینڈ کی تیسری فاگانیہ۔“

”تُم نشان کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے۔“ انور تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔

”ہاں میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس قسم کے نشانات صرف شاہی خاندان کے افراد کے جسموں میں پائے جاتے ہیں اور تخت کے وارث کے جسم پر جو نشان ہوتا ہے دوسرے نشانات سے ذرا مختلف ہوتا ہے۔ یہ نشان بچّوں کی پیدائش پر ان کے سینوں پر ڈال دیئے جاتے ہیں۔ اس رسم کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے شاہی بچّے سِنِ بلوغت کو پہنچنے سے پہلے دوسرے ممالک میں رکھے جاتے ہیں۔“

”لیکن فرضی نشان بھی تو بنائے جاسکتے ہیں۔“ انور نے کہا۔

”یہ ناممکن ہے کیونکہ وہ نشانات شاہی مُہر کے ہوتے ہیں جو شاہی خزانے میں کافی احتیاط کے ساتھ رکھی جاتی ہے۔“

”نشان ڈالنے کا طریقہ کیا ہے۔“

”یہ نہ پوچھو تو بہتر ہے۔“ ڈیگاریکا آہستہ سے بولا۔ ”میں اسے پسند نہیں کرتا۔ لیکن رسم بہر حال رسم ہے۔ چاہے وہ وحشیانہ کیوں نہ ہو۔“

”آخر۔۔۔۔!“

”بہت ہی ظالمانہ طریقہ ہے۔ لوہے کی مُہر گرم کر کے بچّے کے سینے پر داغ لگا دیا جاتا ہے۔“

”اوہ۔۔۔۔“

رمونا نے اپنے ہونٹ اِس طرح سکوڑ لیے جیسے وہ ان داغے جانے والے معصوم بچّوں کی تکلیف خود اپنے سینے پر محسوس کر رہی ہو۔

”تمہارا جزیرہ دُنیا کا آٹھواں عجوبہ معلوم ہوتا ہے۔“ انور آہستہ سے بڑبڑایا۔

ڈیگاریکا کُچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ قدموں کی آہٹ سُنائی دی اور فریدی اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے حمید تھا۔ اس نے آتے ہی انور کو گھورنا شروع کر دیا۔ انور سمجھ گیا کہ رمونا کے پاس ٹھہرنا اُسے کِھل گیا۔

فریدی خاموشی سے ایک کُرسی پر بیٹھ گیا۔ ڈیگاریکا اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"ڈیگاریکا۔" فریدی نے اسے مخاطب کیا۔ "تمہارے مُلک کی ایجنسی کے لوگ تمہاری تلاش میں ہیں۔ ڈان ونسنٹ یہاں سے چلا گیا۔ وہ تین اور ایک بُوڑھا مریض جو یہاں بھی بیہوش تھا، کل چار گئے ہیں اور ڈان الفریڈو یہیں رُک گیا ہے۔ غالباً وہ تمہارا راستہ دیکھ رہا ہے۔"

"اوہ۔۔۔!" ڈیگاریکا مُٹھّیاں بھینچ کر بولا۔ "اسپین میں میرا کوئی کُچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ڈان ونسنٹ وغیرہ میکسیکو گئے ہیں۔ بہر حال یہ سمجھ لو کہ یہاں سے میکسیکو کا راستہ ہمارے لیے مخدوش ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ راستہ بدل دیا جائے۔"

"پھر کون سا راستہ اختیار کرو گے؟" ڈیگاریکا نے پوچھا۔

”کیوں نہ ہم لوگ میکسیکو کے بجائے جمیکا جائیں۔“

”بھلا جمیکا کیسے جا سکیں گے۔ وہ برطانوی حکومت کا ایک حصّہ ہے۔“ ڈیگاریکا نے کہا۔

”یہ میں ٹھیک کر لوں گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”جمیکا سے ہم پھر واٹلنگ کی طرف واپس آئیں گے اور واٹلنگ سے بیرن آئی لینڈ۔۔۔!“

”اور اگر ڈان ونسنٹ نکل گیا تو۔“

”یا تو وہ ہم سے پہلے نکل جائے گا یا ہم اس سے پہلے پہنچ جائیں گے۔ اس کے علاوہ تیسری صورت ناممکن ہے۔“ فریدی نے کہا اور سِگار سلگانے لگا۔ ڈیگاریکا تھوڑی دیر تک کُچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

”تُم ٹھیک کہتے ہو۔“

”مگر میری رائے اس سے مختلف ہے۔“ حمید نے کہا۔

فریدی کے علاوہ اور سب لوگ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"میرا خیال ہے کہ۔۔۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ "پہلے ہم ٹمبکٹو جائیں پھر وہاں سے ہونولولو کا سفر کریں۔ اس کے بعد قطب جنوبی سے گزرتے ہوئے جہنّم رسید ہو جائیں۔"

"بکو مت۔۔۔!" فریدی نے چیخ کر کہا اور حمید نے سہم جانے کی اتنی اچھّی ایکٹنگ کی کہ رمونا بے اختیار ہنس پڑی۔

ڈیگاریکا بھی ہنسنے لگا۔ فریدی پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ رمونا ہاتھ اٹھا کر بولی۔

"اچھّا باتیں بند۔ ابھی ہم لوگوں نے کھانا بھی نہیں کھایا۔"

"شوق سے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن کھانا یہیں منگوایا جائے گا۔ ڈائننگ ہال میں کھانا ٹھیک نہیں۔"

"کیوں؟ ڈائننگ ہال میں کیوں نہیں؟ ہم وہاں بینڈ بھی سن سکیں گے۔" رمونا نے کہا۔

"البرانو کا خیال ٹھیک ہے۔" ڈیگاریکا بولا۔

"میں یہیں تمہیں بینڈ سنادوں گا۔" حمید مُسکرا کر بولا۔

فریدی اسے پھر گھورنے لگا اور حمید نے مُنہ پھیر لیا۔

پھر ڈیگاریکا نے ویٹر کو بلا کر کمرے ہی میں کھانا لانے کے لیے کہا۔

کھانے کے دوران میں حمید نے لطیفے شروع کر دیئے۔ رمونا ہر بات پر ہنس رہی تھی۔

"اِس لڑکی کی خیریت نظر نہیں آتی۔" انور نے فریدی سے اُردُو میں کہا۔

"بھئی کیا بتاؤں۔۔۔۔ حمید کی یہ عادت میں آج تک نہ چھڑا سکا۔ عورت اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ لیکن ایک بات ہے کہ حدود سے باہر قدم نہیں نکالتا۔"

"تُم لوگ نہ جانے کس زبان میں گفتگو کر رہے ہو۔" ڈیگاریکا نے کہا۔ "مُجھے

اُلجھن ہوتی ہے۔"

"انور اپنی زبان میں کہہ رہا ہے کہ اس کا دماغی توازن بگڑتا جارہا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں نے ہر طرح اطمینان دلانے کی کوشش کی ہے۔" ڈیگاریکا بولا۔

"میں بھی سمجھا رہا ہوں۔" فریدی نے کہا اور کھانے میں مشغول ہو گئے۔

کھانا ختم کرنے کے بعد ڈیگاریکا دوسرے کمرے میں آرام کرنے کے لیے چلا گیا۔ بہت تھک گیا تھا۔ بقیہ لوگ وہیں کافی پیتے رہے۔

فریدی نے ایک سِگار نکال کر ہونٹوں میں دبایا اور سُلگانے ہی جارہا تھا کہ رمونا نے اسے کھینچ لیا۔

"تُم بہت کثرت سے سِگار پیتے ہو۔" رمونا نے کہا۔ "اب بس۔ پھیپھڑے خراب ہو جاتے ہیں۔"

فریدی مُسکرانے لگا۔

"اور میرے پائپ کے متعلّق کیا خیال ہے۔" حمید نے اپنا پائپ ہونٹوں سے نکالتے ہوئے کہا۔

"اس سے بھی پھیپھڑے خراب ہو جاتے ہیں۔" رمونا بولی۔ "لیکن اگر تمہارے پھیپھڑے خراب بھی ہو گئے تو اس سے کوئی خاص نقصان نہ ہو گا۔"

"کیوں۔۔۔؟" حمید متحیّر ہو کر بولا۔

"تُم ایک ناکارہ آدمی ہو۔ صرف باتیں بنانا جانتے ہوں۔" رمونا ہنس کر بولی۔

"اب زندگی بے کار ہے۔" حمید بیزاری سے بولا اور فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔ انور بھی ہنس رہا تھا۔ شاید اس دوران میں وہ پہلی بار دِل کھول کر ہنسا تھا۔ حمید نے اپنی جیب سے ریشمی رومال نکالا اور اسے اپنی گردن میں پھنسا کر دونوں سِرے کھینچنے لگا۔

"تو یہ کیا کرنے لگے۔" رمونا نے مُسکرا کر کہا۔

"خودکُشی۔" حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔ اس کا چہرہ سچ مچ سُرخ ہو رہا تھا۔ آنکھیں حلقوں سے اُبلی پڑ رہی تھی۔

"عجیب دیوانے آدمی ہو۔" رمونا نے کہا اور بڑھ کر اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

"نہیں نہیں۔۔۔۔ مُجھے مر جانے دو۔"

"کیا فضول حرکتیں کر رہے ہو۔" رمونا جھلّا کر بولی۔

"مر بھی جانے دو۔" فریدی لاپرواہی سے بولا اور حمید رومال کے گوشے چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"اوہ! تو آپ اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔" حمید اُردُو میں بولا۔ "میں دستبردار ہوتا ہوں۔"

"تُم گدھے ہو۔" فریدی جھلّا کر بولا۔ "مُجھے پاگل کُتّے نے کاٹا ہے کہ ہر لڑکی میں دلچسپی لینے لگوں۔ نہ جانے تمہارے دماغ میں کس قسم کے کیڑے کلبلاتے رہتے

ہیں۔“

”میں احمق نہیں ہوں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ وہ آپ کی طرف جھک رہی ہے۔“

”جھکنے دو۔“ فریدی بیزاری سے بولا۔ ”اِس کے جھکنے سے دُنیا کا نقشہ نہیں بدل سکتا۔ بین الاقوامی سیاست بھی اپنی جگہ پر رہے گی۔ لیکن تمہیں ٹی، بی ضرور ہو جائے گی۔ دماغ ذرا ٹھنڈا رکھو برخوردار۔“

”تو آپ اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔“

”ابے نہیں چُغد۔۔۔۔ نہیں۔“ فریدی دانت پیس کر بولا۔

”شکریہ۔۔۔۔ میں آپ ہونے والے بال بچّوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔“

انور کے لیے ہنسی ضبط کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ اس لیے وہ اُٹھ کر بالکونی میں چلا گیا۔ البتّہ رمونا ان دونوں کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ کیونکہ اس نے فریدی کو غُصّے میں دانت پیستے دیکھا تھا۔

”آخر بات کیا ہے؟“ رمونا نے تشویشناک لہجے میں پوچھا۔

”تُم پُرتگالی زبان نہیں سمجھتیں؟“ فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں بالکل نہیں سمجھتی۔“

انور رمونا کی آواز سنتے ہی کھڑکی کے قریب آ گیا تھا۔

”بات دراصل یہ ہے۔“ فریدی بولا۔ ”تُم نے اِسے ناکارہ کہہ کر اس کا دِل توڑ دیا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ میں واپس لوٹ جاؤں گا۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ ناکارہ آدمی نہیں ہے۔ ابھی اس کے کارنامے تمہاری نظروں سے نہیں گزرے۔ ایک بار یہ غُصّے میں ایک جنگلی ہاتھی کی دم پکڑ کر لٹک گیا تھا اور ہاتھی نے بڑی مُشکل سے اپنی جان بچائی تھی۔“

”میں نے مذاق میں کہا تھا۔“ رمونا نے معذرت طلب انداز میں کہا۔ پھر وہ حمید کو مخاطب کر کے بولی۔ ”تُم بُرا مان گئے۔“

”پہلے بُرا ماننے کا ارادہ کر رہا تھا مگر اب نہیں۔“ حمید نے کہا اور پائپ پینے لگا۔

فریدی نے انور کو آواز دی۔ دونوں سفر کے متعلّق گفتگو میں مشغول ہو گئے اور حمید رمونا کے ساتھ بالکونی میں چلا گیا۔ فریدی نے اسے بھی مشورے میں شریک کرنا چاہا تھا لیکن پھر یہ سوچ کر ارادہ ملتوی کر دیا کہ فی الحال حمید کوئی قاعدے کی بات نہیں کر سکتا کیونکہ رمونا اس کے سر پر بُری طرح سوار تھی۔

حمید بالکونی میں رمونا سے کہہ رہا تھا۔

"تُم دُنیا کی حسین ترین لڑکی ہو۔"

"اور تُم بالکل کینگرو معلوم ہوتے ہو۔" وہ ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

"چلو میں کینگرو ہی سہی لیکن میں زندگی بھر تمہاری تعریف کرتا رہوں گا۔"

"" کیا یہ سچ ہے کہ تُم ہاتھی کی دم پکڑ کر لٹک گئے تھے۔"

"ہاں مگر وہ ہاتھی مُردہ تھا۔"

"کیوں فضول باتیں کر رہے ہو۔"

"ارے تُم البرانو کی باتوں میں آئی ہو۔ وہ میرا مضحکہ اُڑا رہا تھا۔"

"لیکن ڈی سالٹ کو تو تُم پکڑ کر لے گئے تھے۔"

"آخر تمہیں پکڑ دھکڑ اور مار پیٹ سے اتنی دلچسپی کیوں ہے؟" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"مُجھے نڈر اور بے خوف آدمی اچھّے لگتے ہیں۔ البرانو کی میرے دِل میں بہت عزّت ہے۔"

"اور میری۔۔۔۔!"

"تُم نے کیا ہی کیا ہے۔"

"اچھّا تو میں اب دکھادوں گا۔" حمید اکڑ کر بولا۔

"کیا دکھادو گے۔"

"اپنی زبان۔۔۔۔!" حمید نے کہا اور اپنی زبان نکال دی۔ رمونا ہنس پڑی۔

”تمھاری باتیں مُجھے اچھّی لگتی ہیں۔“

”تو ہم دونوں تمہیں اچھّے لگتے ہیں۔“

”میں نے یہ تو نہیں کہا۔“ رمونا جلدی سے بولی۔ ”تُم بڑے شیطان معلوم ہوتے ہو۔“

”بڑا نہیں چھوٹا کہو۔ بڑا شیطان تو البرانو ہے۔“

"میں تُم دونوں کی عزّت کرتی ہوں۔ اچھّا مُجھے البرانو کے بارے میں بتاؤ۔“

”کیا بتاؤں۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”وہ تمھاری ذرّہ برابر بھی پرواہ نہیں کرتا۔“

”تُم پھر بہکنے لگے۔ میں تُم سے یہ کب پُوچھ رہی ہوں۔ کیا تُم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس سے محبّت کرنے لگی ہوں۔“

”قطعی نہیں۔۔۔۔ قطعی نہیں۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”محبّت تو تُم مُجھ

سے۔۔۔۔!"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" رمونا نے جھلّا کر کہا اور کمرے میں چلی گئی۔

حمید اِس طرح آسمان کی طرف دیکھنے لگا جیسے چرخ کج رفتار کو گھونسہ رسید کر دے گا۔

ایک دُشمن

دوسرے دِن صُبح وہ لوگ ایک اسٹیمر پر جمیکا کے لیے روانہ ہو گئے۔ ڈیگاریکا جمیکا جانے کی مخالفت کر رہا تھا۔ لیکن فریدی نے اس کی ایک نہ سُنی۔ ڈیگاریکا کی پریشانی کا باعث دراصل یہ چیز تھی کہ اس کا پاسپورٹ صرف میکسیکو تک کا تھا۔

اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ فریدی جمیکا میں کس طرح اتر سکتا تھا۔

”تُم ڈرو نہیں۔“ فریدی نے اُس سے کہا۔ ”تمھاری حفاظت کا میں ذمّہ دار ہوں۔ تُم دیکھنا کہ میں تمھیں کس صفائی سے نکال لے جاتا ہوں۔“

ڈیگاریکا اِس جواب سے مطمئن ہوا تھا یا نہیں لیکن انور کے لیے اس اجمال کی تفصیل جاننی ضروری تھی۔ خود اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فریدی ان لوگوں کو جمیکا کس طرح لے جائے گا۔ لہٰذا اس کے مزید استفسار پر فریدی کو بتانا ہی پڑا۔

”جرمن سائنسدان ولمین (جاسوسی دُنیا کا بارہواں ناول موت کی آندھی ملاحظہ فرمائیں) کی تباہ کُن ایجاد پر سے پردہ اٹھانے کے سِلسِلے میں میری کُچھ اور پوزیشن ہو چکی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں اب دولت مشترکہ کے سارے ممالک میں بغیر کسی دشواری کے داخل ہو سکتا ہوں۔ میں نے جمیکا میں پیش آنے والی دشواریوں سے متعلّق انسپکٹر براؤن کو ایک کیبل روانہ کیا تھا جس کا جواب آگیا ہے۔ اسکاٹ لینڈ کی طرف سے جمیکا کے محکمہ سُراغ رسانی کو ہمارے متعلّق اِطّلاع دے دی گئی ہے لہٰذا وہاں کوئی دشواری پیش نہ آئے گی۔“

انور مطمئن ہو گیا۔ ڈیگاریکا بھی کُچھ پُر سکون نظر آرہا تھا۔ کیونکہ وہ البرانو کی غیر معمولی قوّتوں سے اچھّی طرح واقف ہو چکا تھا۔

اسٹیمر پر مسافروں کی کثرت نہیں تھی کیونکہ وہ اسٹیمر دراصل تجارتی سامان بار کر کے جمیکا کی طرف جا رہا تھا۔ عرشے پر تو ایک متنفّس بھی سفر نہیں کر رہا تھا۔ سارے مسافر کیبنوں میں تھے۔

موسم ٹھیک ہونے کی وجہ سے سمندر میں تموج نہیں تھا۔ لہٰذا اسٹیمر سُبک روی کے ساتھ اپنا راستہ طے کر رہا تھا۔ دِن بھر یہ لوگ اپنے کیبنوں میں رہے اور شام کو ریستوران میں اکٹھا ہو گئے۔ لیکن فریدی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ پانچ بجے کے قریب وہ ریستوران میں آیا۔ کُرسی گھسیٹ کر ان کے قریب بیٹھ گیا۔

"اب تُم لوگ مُجھے البرانو کہہ کر مخاطب نہ کرنا۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"کیوں؟"

"ڈان الفریڈو جہاز پر موجود ہے۔"

"ارے۔۔۔!"

"ہاں اس نے داڑھی لگا رکھی ہے۔ لیکن میں اسے اچھّی طرح پہچان گیا ہوں۔"

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک باوردی قسم کا باریش آدمی ریستوران میں داخل ہوا۔

"ہاں تو صاحبان۔۔۔۔!" فریدی بلند آواز میں بولا۔ "آپ لوگوں کو مل کر بڑی خُوشی ہوئی مُجھے اسپین اور اسپینی باشندوں سے عشق ہے۔ میرے ساتھی نے آپ لوگوں کی بڑی تعریف کی ہے۔"

آنے والے نے ڈیگاریکا پر ایک اُچٹتی سی نظر ڈالی اور قریب کی ایک میز کے پاس بیٹھ گیا۔

فریدی بلند آواز میں بھی کئی طرح کی باتیں کرتا رہا۔ بہرحال وہ آنے والے پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ ڈیگاریکا سے جہاز پر واقف ہوا ہے۔

دفعتاً آنے والے کی نظریں انور کی طرف اُٹھ گئیں جو اولیاری کے بھیس میں تھا۔ وہ بے اختیار چونک پڑا۔ پہلے اس کے ہونٹ تھوڑے سے کھلے پھر آنکھیں پھیل کر رہ گئیں۔ چند لمحے تک ایسی حالت میں رہا پھر قریب بیٹھے ہوئے لوگوں نے اس کی کُرسی کی چڑچڑاہٹ کی آواز سُنی اور وہ لہرا کر فرش پر آ رہا۔ چاروں

طرف سے لوگ دوڑ پڑے اور اس کے گرد بھیڑ لگ گئی۔

”انور۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”اپنے کیبن میں جاؤ۔۔۔۔ اور اس وقت تک باہر نہ نکلنا جب تک میں نہ آجاؤں۔“

انور چلا گیا۔ ڈیگاریکا وغیرہ حیرانی سے فریدی کی طرف دیکھنے لگے۔ فریدی بھیڑ ہٹا کر بے ہوش آدمی کے قریب پہنچ چکا تھا۔

”ہٹ جاؤ۔۔۔۔ ہٹ جاؤ۔“ وہ ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”مقدّس باپ بے ہوش ہو گئے ہیں۔ لڑکے ذرا ایک گلاس پانی لاؤ۔“

ویٹر لپک کر پانی کا گلاس لایا۔ فریدی نے اس کے گلے میں لٹکی ہوئی صلیب کو نہایت احترام کے ساتھ اس کے سینے پر رکھ دیا اور گلاس لے کر اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے دینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد پادری کو ہوش آگیا۔ فریدی نے اسے سہارا دے کر بٹھا دیا۔

”مقدّس باپ! اب طبیعت کیسی ہے۔“ اس نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔" پادری چاروں طرف دیکھ کر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اچھّا تو اٹھیے آپ بہت نحیف معلوم ہو رہے ہیں۔" فریدی اسے اٹھا کر اپنی میز کے قریب لایا۔ سب بیٹھ گئے۔ رمونا انور کی کُرسی پر بیٹھنے جا رہی تھی مگر فریدی نے اسے دوسری کُرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ انور کی کُرسی خالی ہی رہی۔

پادری بار بار خالی کُرسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"مقدّس باپ! آپ بہت نحیف معلوم ہو رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "برانڈی منگواؤں۔"

"نہیں نہیں اس کی ضرورت نہیں۔" پادری ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مُجھے اختلاجِ قلب کے دورے پڑتے ہیں اس وقت بھی دورہ ہی پڑا تھا۔"

فریدی نے اس پر افسوس ظاہر کیا۔

پادری تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہنے کے بعد انور کی کُرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "یہ کہاں گیا؟ تُم سب سے مل کر مُجھے بڑی خُوشی

ہوئی۔"

"کون۔۔۔؟" فریدی چونک کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اس کُرسی پر کوئی نہیں تھا۔"

پھر اس نے رمونا کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

پادری کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار پیدا ہوئے لیکن اس نے جلد ہی اپنی حالت پر قابو پالیا۔

"ہو گا۔۔۔ ممکن ہے مجھے دھوکہ ہوا ہو۔ بہر حال آپ لوگوں سے مل کر بڑی خُوشی ہوئی۔ بقیہ سفر آرام سے کٹ جائے گا۔"

"ہم ہر حال میں خدمت کے لیے تیّار ہیں۔" فریدی قدرے جھُک کر بولا۔ "یہ سینور ڈیگاریکا ہیں۔ یہ سینور رمونا۔ یہ میرا ساتھی حمید یوف ہے اور میں فرید یوف۔"

"تُم دونوں روسی ہو۔" پادری نے پوچھا۔

"جی ہاں۔۔۔۔ لیکن ہم رومن کیتھولک ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"ہم دونوں پر آسمانی باپ برکتیں نازل کرے۔" پادری نے ہاتھ اٹھا کر دُعا دی۔

"اِن دونوں کے لیے شگون کی دُعا کیجیے۔" فریدی نے ڈیگاریکا اور رمونا کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "ڈیگاریکا کا بیٹا اس سفر میں اچانک ان سے ہمیشہ کے لیے جُدا ہو گیا۔"

"کہاں۔۔۔۔؟"

"ہندوستان میں۔۔۔۔ اور اب یہ میکسیکو جا رہے ہیں۔"

"میکسیکو۔۔۔۔!" پادری نے حیرت سے کہا۔ "مگر یہ جہاز تو جمیکا جا رہا ہے۔"

"یہ ہسپانیولا کی بندرگاہ آپرنس پر اتریں گے۔ پھر وہاں سے میکسیکو جائیں گے۔"

"بڑا چکر پڑ جائے گا۔" پادری نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔

"کیا کیا جائے۔" فریدی غم انگیز لہجے میں بولا۔ "میری ان کی ملاقات اسی جہاز پر

ہوئی ہے۔ ان کی دکھ بھری کہانی سن کر بڑا افسوس ہوا۔ بات یہ ہے کہ لڑکے کی ماں ہسپانیولا میں ہے یہ ایسی خبر ڈاک کے یا تار کے ذریعہ نہیں سنانا چاہتے۔“

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔“ پادری نے کہا۔ ”بڑا افسوس ہوا۔ خُدا انہیں صبر دے۔“

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر پادری اُٹھتا ہوا بولا۔

”اچھّا میرے بچّو! آسمانی باپ تمہاری حفاظت کرے۔“

”آپ کمزوری محسوس کر رہے ہوں گے۔“ فریدی نے کہا۔ ”چلیے میں آپ کو کیبن تک پہنچا دوں۔“

پادری نہیں نہیں کرتا رہا۔ لیکن فریدی نے سہارے کے لیے اپنا ہاتھ پیش ہی کر دیا۔ پادری کو اس کے کیبن تک پہنچا کر فریدی لوٹ آیا۔ ڈیگاریکا متحیّر تھا۔ اس نے حمید کو بلا کر کُچھ ہدایتیں دیں پھر حمید ریستوران سے چلا گیا۔

”یہ سب کیا تھا؟“ رمونا بے صبری سے بولی۔ ”انور کہاں گیا۔“

"تُم بتاؤ۔" فریدی کُرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مُسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

"میں کُچھ نہیں سمجھی۔"

"مقدّس باپ انور کو اولیاری کا بھُوت سمجھ کر بے ہوش ہو گئے تھے۔"

"اوہ! تو وہ ڈان الفریڈو تھا۔" ڈیگاریکا اچھل کر بولا۔

"ہاں۔۔۔۔!"

"اس لیے انور کو سچ مچ تُم نے بھُوت بنا دیا۔" رمونا اپنی ہنسی ضبط کرتی ہوئی بولی۔

"اور اب میں نے انور کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ فی الحال اپنی اصل صورت میں آ جائے۔ ڈان الفریڈو بُری طرح خائف ہے۔

بہت مُمکن ہے کہ وہ آج اپنے ساتھیوں کو وائرلیس کے ذریعے پیغام بھیجنے کی کوشش کرے۔ میرا ساتھی اس کی نگرانی کر رہا ہے۔"

ڈیگاریکا کُچھ نہ بولا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار پائے جارہے تھے۔ رمونا پر بھی اس کے باپ کی بدلتی ہوئی کیفیت نے بُرا اثر ڈالا تھا۔

"تُم خاموش کیوں ہو گئے۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "میں اس کے چیتھڑے اُڑا دوں گا۔"

"مُمکن ہے وہ تنہا نہ ہو۔" ڈیگاریکا نے فکر مند لہجے میں کہا۔

"اوہ چھوڑو بھی۔" فریدی سِگار نکال کر ہونٹوں میں دباتا ہوا بولا۔ تُم کُچھ تھکے تھکے سے نظر آرہے ہو۔ جا کر آرام کرو۔ میرا ساتھی الفریڈو پر کڑی نظر رکھے گا۔ تھوڑی دیر بعد انور بھی اپنا کام شروع کر دے گا اور ہمیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ الفریڈو تنہا ہے یا اس کے ساتھ کُچھ اور بھی ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد ڈیگاریکا بھی اپنے کیبن کی طرف چلا گیا۔

"رمونا تُم بھی ڈر رہی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں میں آپ کی وجہ سے فکر مند ہوں۔"

”ننھّی لڑکی تمہارے اندیشے فضول ہیں۔ ہنسو، مُسکراؤ، قہقہے لگاؤ۔ زندگی اسی کا نام ہے۔“

”میں ہنس تو رہی ہوں۔“ رمونا کے ہونٹوں پر ایک بے جان سی مُسکراہٹ پھیل گئی۔

”تمہاری گفتگو سُن کر میں نے اندازہ لگایا تھا کہ تُم بہت دلیر ہو۔“

”میں دلیر کہاں ہوں؟“

”خیر۔۔۔۔ تُم اپنے مُنہ سے تو اپنی تعریف کروگے نہیں۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔!“

وہ کُچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ حمید آ گیا۔

”کیوں تُم کیوں چلے آئے؟“ فریدی اسے گھور کر بولا۔

”آپ مزے کریں اور میں دھکّے کھاؤں۔“ حمید نے اُردو میں کہا اور بیٹھ گیا۔

”اب ڈیوٹی بدل جائے تو اچھّا ہے۔ آپ جا کر اس الفریڈو کے پٹھّے کو تاکیے اور

میں آپ کے فرائض انجام دوں گا۔"

فریدی اسے قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔ "بیہودے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

"تُم اپنی طرح مُجھے بھی سمجھتے ہو کسی دِن کسی عورت ہی کے ساتھ مارے جاؤ گے۔"

"کیا بات ہے؟" رمونا نے پوچھا۔

"کُچھ نہیں۔۔۔!" حمید نے ہنس کر کہا۔ "ذرا الفریڈو کے پیٹ میں درد اٹھا ہے ان سے کہہ رہا ہوں کہ جاکر کوئی اعلیٰ قسم کا چورن تجویز کر دیں۔"

"ٹھیک سے بتاؤنا۔۔۔!" رمونا نے کہا اور فریدی اُٹھ کر چلا گیا۔

"چھوڑو بھی۔۔۔ البرانو پر خون کی پیاس سوار ہے۔ چلو عرشے پر چلیں۔۔۔ اس وقت ڈوبتا ہوا سورج بڑا حسین لگ رہا ہو گا۔"

تھوڑی دیر بعد رمونا عرشے پر جہاز کی ریلنگ سے ٹکی ہوئی حمید سے کہہ رہی تھی۔

"البرانو کبھی آدمی معلوم ہوتا ہے اور کبھی کُچھ اور۔۔۔ جب وہ ڈان الفریڈو کو سہارا دینے جارہا تھا تو مُجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی خونخوار بھیڑیا کسی بکری کے بچّے کو سہارا دینے جارہا ہوں۔ نہ جانے کیوں میں نے سچ مچ اس کی آنکھوں میں خون کی پیاس دیکھی تھی۔"

"ابھی تُم نے دیکھا ہی کیا ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔

دونوں کافی دیر تک عرشے پر کھڑے رہے پھر رات کی سیاہی نے دیو پیکر موجوں کو آہستہ آہستہ خوفناک بنا دیا۔ ہوا تیز ہوتی جارہی تھی۔ جہاز سے ٹکرانے والی لہروں کی ہلکی ہلکی بوچھاڑ اُن کے چہروں پر نمی بکھیرنے لگی تھی۔ وہ اپنے کیبنوں کو لوٹ آئے۔

رات ڈھلتی گئی۔ بے کراں سنّاٹے میں لہروں کا شور اور انجن کا زنّاٹا گونجتا رہا۔

فریدی حمید اور انور ابھی تک جاگ رہے تھے۔ فریدی ڈان الفریڈو کے کیبن کے قریب دیوار سے چپکا کھڑا تھا۔ حمید اور انور عرشے سے ریلنگ کے قریب اندھیرے میں چِت لیٹے ہوئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ آدمی جن کی صورتیں اندھیرے میں پہچانی نہ جا سکیں ڈان الفریڈو کے کیبن کے دروازے پر آ کر رُک گئے۔ چند لمحے اندھیرے میں اِدھر اُدھر دیکھتے رہنے کے بعد انہوں نے دروازے کو آہستہ سے کھٹکھٹایا۔ کسی نے دروازہ کھولا اور وہ اندر چلے گئے۔ پھر اندر سے ہلکی ہلکی سرگوشیوں کی آوازیں آنے لگیں۔

دروازہ کھلا دو آدمی اندر سے نکلے۔ پھر تیسرے نے انہیں روک کر آہستہ سے کہا۔

"تُم انہیں صرف بیس منٹ تک باتوں میں اُلجھائے رکھنا۔"

"دونوں پھر اندھیرے میں گُم ہو گئے اور تیسرا اندر چلا گیا۔ انور اور حمید ان کے

پیچھے لگ گئے تھے۔ فریدی بدستور کھڑا رہا۔

کُچھ دیر بعد دروازہ پھر کھلا اور ایک آدمی نکل کر آہستہ آہستہ کیبنوں کی طرف بڑھنے لگا۔ فریدی ریلنگ کے سہارے رینگ رہا تھا۔ پُر اسرار سایہ ڈیگاریکا کے کیبن کے قریب رُک گیا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ ڈیگاریکا نے اپنے کیبن کی روشنی کیوں نہیں بجھائی؟ کیا وہ دونوں ابھی تک جاگ رہے ہیں۔

وہ آدمی تھوڑی دیر تک کیبن کے دروازے پر جھکا رہا۔ شاید وہ تالے کے سوراخ سے اندر کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ دوسرے لمحے میں فریدی کیبن کے دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ ڈیگاریکا اور رمونا روشنی گل کیے بغیر ہی سو گئے تھے۔ فریدی نے پہلی ہی نظر میں ڈان الفریڈو کو پہچان لیا وہ اس وقت پادری کے بھیس میں نہیں تھا۔ اس کے اٹھے ہوئے داہنے ہاتھ میں ایک خنجر چمک رہا تھا۔ اس نے بجلی کی سرعت کے ساتھ بایاں ہاتھ ڈیگاریکا کے مُنہ پر رکھا اور قبل اس کے داہنا ہاتھ بھی استعمال کرتا فریدی کا بایاں ہاتھ اس کے مُنہ پر پڑا اور داہنا ہاتھ خنجر والے ہاتھ پر۔ ڈیگاریکا

اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ڈان الفریڈو فرش پر فریدی کے گھٹنے کے نیچے دبا ہوا تھا۔

اتنے میں رمونا بھی جاگ پڑی۔

"خاموش۔۔۔۔ خاموش۔۔۔۔!" فریدی آہستہ سے بولا اور رمونا کی چیخ ہونٹوں میں دب کر رہ گئی۔ ڈان الفریڈو فریدی کی گرفت سے نکل جانے کی جدوجہد کر رہا تھا۔

"روشنی گُل کر دو۔" فریدی پھر بولا۔ ڈیگاریکا نے بڑھ کر سوئچ آف کر دیا۔ ڈان الفریڈو اپنے مُنہ سے فریدی کا ہاتھ اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے فریدی نے اسے اپنی کمر پر لاد لیا اور تیزی سے باہر نکلا۔ ڈیگاریکا اور رمونا بھی اس کے پیچھے تھے۔ ریلنگ کے قریب پہنچ کر فریدی جھکا۔

یہاں پھر دونوں میں جدوجہد ہونے لگی اور پھر دوسرے ہی لمحے فریدی خالی ہاتھ کھڑا تھا۔

"پھینک دیا۔۔۔۔ تُم نے اسے پھینک دیا۔" رمونا زور سے چیخی۔ فریدی جھپٹ

کراس کے قریب آیا۔

”بے وقوف احمق۔۔۔۔“ اس نے آہستہ سے جھلّائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”چُپ رہو۔ چلو بھاگ چلو۔۔۔۔ جلدی کرو۔ قدموں کی آہٹیں سُنائی دے رہی ہیں۔“

وہ پنجوں کے بل کیبن میں گھُس گئے اور دروازہ بند کرلیا۔ لوگوں کے دوڑنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

”تُم نے بہت بُرا کیا۔“ فریدی نے آہستہ سے رمونا سے کہا جو اس کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔

”غَلَطی ہوئی۔۔۔۔ غَلَطی ہوئی۔ البرانو اگر تُم نہ ہوتے۔۔۔۔“ اس کی آواز گھٹ گئی اور اس کے ہونٹ فریدی کی پیشانی سے جالگے۔

”بے وقوف لڑکی۔“ فریدی یک بیک پیچھے ہٹ کر بولا۔ ”ہوش میں رہو۔ ہوش میں۔“

”کیا بات ہے۔“ ڈیگاریکا نے پوچھا۔

”کُچھ نہیں۔۔۔۔!“ رمونا نے کہا۔ ”میرا سر چکرا رہا ہے۔“

تھوڑی دیر بعد باہر پھر سنّاٹا چھا گیا۔ صرف لہروں کا شور سُنائی دیا۔ فریدی نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور باہر نکلتے ہوئے ان سے کہتا گیا۔ ”اب چپ چاپ سو رہو۔“

اپنے کیبن میں واپس آکر وہ انور اور حمید کا انتظار کرنے لگا۔ وہ ان دونوں آدمیوں کے متعلّق سوچ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں واپس آگئے۔

”وہ دونوں رات کی ڈیوٹی والے عملہ کو باتوں میں لگائے رکھنے کے لیے گئے تھے۔“ حمید نے کہا۔

”اب وہ کہاں ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

"شاید سمندر کی گہرائیاں ناپ رہے ہوں گے۔" انور مُسکرا کر بولا۔

"شاباش۔۔۔۔!" فریدی جوش میں اُٹھتا ہوا بولا۔

"ہم اِن کے پیچھے لگے رہے۔" انور نے کہا۔ "اور جب وہ ڈان الفریڈو کے کیبن کی طرف پھر واپس آئے تو ہم ان پر ٹوٹ پڑے اور پھر۔۔۔۔ حمید کے منع کرنے کے باوجود میں نے انہیں پھینک ہی دینا مناسب سمجھا۔"

"انور میرا سچّا شاگرد ہے۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیوں آپ منع کیوں کر رہے تھے۔"

"میں سمجھا تھا شاید آپ ان سے محبّت کرنا پسند کریں۔" حمید مُنہ بنا کر بولا۔

"خود اعتمادی پیدا کرو برخوردار۔۔۔۔ کب تک مُجھ سے پوچھ پوچھ کر کام کرتے رہو گے۔" فریدی نے کہا۔

"ڈان الفریڈو کا کیا ہوا۔" انور نے پوچھا۔

”وہ اپنے ساتھیوں کی پیشوائی کے لیے پہلے ہی روانہ کر دیا گیا۔“ فریدی نے کہا اور سارا واقعہ دہرا کر بولا۔ ”اب ہمیں اس طرح سو رہنا چاہیے جیسے ہم رمبا ناچتے ناچتے کافی تھک گئے ہوں۔“

دشواریاں

"میں نے البرانو کی مدد حاصل کر کے غَلَطی نہیں کی تھی۔" ڈیگاریکارمونا سے کہہ رہا تھا۔ "لیکن میں آج بھی متحیّر ہوں کہ وہ اپنی جان خطرے میں کیوں ڈال رہا ہے۔ محض اس لیے کہ ڈان ونسنٹ نے اس کی توہین کی تھی۔ یہ بات کسی طرح حلق سے نہیں اُترتی۔ آج کی دُنیا میں ایسے لوگ نہیں ملتے جو صرف توہین کا بدلہ لینے کے لیے اتنی دردسری مول لیں۔"

"کُچھ بھی ہو۔" رمونا نے کہا۔ "لیکن مُجھے البرانو کی نیّت میں کسی قسم کا فتور نہیں معلوم ہوتا۔ یہ بات ضرور ہے کہ وہ حددرجہ پُراسرار ہے۔"

حمید انور اور فریدی بادبانی کشتی کے دوسرے سِرے پر بیٹھے بادبانوں کو ہوا کے رُخ پر لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ جمیکا سے وہ واٹلنگ آئے تھے اور اب واٹلنگ سے منزلِ مقصود کی طرف جا رہے تھے۔ ڈیگاریکا کو حیرت تھی کہ آخر البرانو انہیں پاسپورٹ کے بغیر کس طرح سفر کرا رہا ہے۔ اس نے فریدی سے اس کے متعلّق پوچھا بھی تھا جس کا اس نے کوئی تشفی بخش جواب نہیں دیا۔

واٹلنگ سے وہ سیر و شکار کے بہانے روانہ ہوئے تھے۔ اس مقصد کے لیے فریدی نے ایک بڑی بادبانی کشتی چالیس پاؤنڈ کے عوض خریدی تھی۔ جس پر ضرورت کا سارا سامان بار تھا۔ اس وقت ہوا موافق تھی اور کشتی بیرن آئی لینڈ کی طرف جا رہی تھی۔ ایک ایک کر کے ستارے ڈوب چلے اور اُفق میں اُجالے کی ایک پتلی سی لکیر اُبھر رہی تھی۔ ہوا میں نرم روی اور لطیف سی خنکی تھی۔ بادبان ٹھیک ہو جانے کے بعد فریدی چت لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر تک اس کی اَدھ کھلی آنکھیں اُفق میں اُبھرتی ہوئی روشن لکیر پر جمی رہی تھیں۔

"ہے ہے۔۔۔!" وہ انور کی طرف کروٹ لے کر بولا۔ "بعض اوقات میں

جوش کی پیغمبری کا قائل ہو جاتا ہوں کہ کیا شعر کہہ دیا ہے ظالم نے:

ہم ایسے اہلِ نظر کو ثبوت کے لیے

اگر رسول نہ ہوتے تو صُبح کافی تھی

"اوہو۔۔۔۔!" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "آپ کو بھی شعر و شاعری سے دلچسپی پیدا ہو گئی؟"

پھر اُس نے ٹھنڈی سانس لے کر رمونا کی طرف دیکھا جو چُلّو میں پانی لے لے کر اچھّال رہی تھی۔

فریدی کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ تھی۔

"حمید کی چڑچڑاہٹ سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہو؟" اُس نے آہستہ سے انور سے پوچھا۔

انور ہنسنے لگا۔

"رمونا۔۔!" فریدی نے آواز دی۔

"کون۔۔۔۔؟" رمونا چونک کر بولی۔ "البرانو کیا تُم نے کُچھ کہا؟"

"ہاں کیا چائے پلاؤ گی؟"

"تُم نے کہا کب تھا؟ ابھی لو!" رمونا اپنی جگہ سے ہٹتی ہوئی بولی۔ اُس کے لہجے میں پیار تھا۔ حمید نے اپنے مُنہ پر پانی کے چھینٹے مارنے شروع کر دیئے۔

"کیا وضو کر رہے ہو؟" فریدی نے اسے چھیڑا۔

"جی نہیں۔۔۔۔ آپ کے لیے چُلّو بھر پانی تلاش کر رہا ہوں۔" حمید جل کر بولا۔

"تمہیں نہیں ملے گا کیونکہ تمہاری آنکھ کا پانی مر چُکا ہے۔" فریدی نے کہا اور اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر انور کو مخاطب کر کے بولا۔ "مُجھے کُچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رمونا مُجھ سے محبّت کرنے لگی ہے۔"

حمید کُچھ نہ بولا۔

”حمید تو کہہ رہا تھا کہ وہ اس پر ہزار جان سے باقاعدہ عاشق ہو گئی ہے۔“ انور نے کہا۔

”اچھّا تو آپ کا بھی دماغ خراب ہوا۔“ حمید پلٹ کر بولا۔

انور کُچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ رمونا انہیں کے قریب اسٹوپ اٹھالائی۔

”ذرا دیکھنا تو۔“ وہ حمید کی طرف مُڑ کر بولی۔ ”اسٹوپ کام نہیں کر رہا ہے۔“

”اِدھر لاؤ۔۔۔۔!“ فریدی بولا۔

”کیا پھر اِس کے دماغ کی کوئی رگ بگڑ گئی؟“ رمونا نے آہستہ سے پوچھا۔

”نہیں میں نے اُس سے شرط لگائی ہے۔“

”کیسی شرط؟“

”یہی کہ تُم اُسے چائے نہیں پیش کرو گی۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”کہتا ہے کہ یہ ناممکن ہے۔“

"اچھّاتو واقعی میں اسے چائے نہ دوں گی۔"

"شکریہ۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "اس طرح میں جیت جاؤں گا اور پھر اس سے پندرہ پاؤنڈ وصول کر لینا میرے بائیں ہاتھ کا کام ہو گا۔"

"پندرہ پاؤنڈ۔۔۔؟" رمونا حیرت سے بولی۔ "اتنی لمبی شرط!"

"روسی شہزادہ ہے نا۔۔۔ بھلا اس کے لیے پندرہ پاؤنڈ کی کیا حقیقت ہو سکتی ہے۔ اس کا باپ روس سے کافی دولت لایا تھا۔"

"اچھّی بات ہے۔ میں اسے ایک قطرہ بھی نہ دوں گی۔" رمونا ہنس کر بولی۔

حمید انہیں غور سے دیکھ رہا تھا۔ لیکن ان کی گفتگو نہ سُن سکا۔ فریدی نے اسٹوپ جلا دیا اور اب رمونا چائے کے لیے پانی رکھ رہی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد حمید کو سچ مچ تاؤ آگیا کیونکہ رمونا نے اُس کی طرف توجّہ تک نہ دی تھی۔ حمید کے علاوہ اور سب چائے پی رہے تھے۔

ڈیگاریکا کو ان باتوں کا علم نہیں تھا۔ اس نے رمونا سے پوچھا کہ اس نے اسے چائے کیوں نہیں دی۔

"آج اگست کا پہلا اتوار ہے نا۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "آج یہ کسی عورت کے ہاتھ سے کوئی چیز قبول نہ کرے گا۔"

حمید نے اُسے گھور کر دیکھا لیکن انور بولتا رہا۔ "یہ اس کے خاندان کی پرانی رسم ہے۔ بہت پرانی۔"

ڈیگاریکا نے فریدی کی طرف دیکھا۔

"انور سچ کہتا ہے۔" فریدی چائے کی پیالی رکھ کر سِگار سُلگاتا ہوا بولا۔

حمید کا غصّہ کافور ہو گیا۔ وہ بُری طرح جھینپ رہا تھا۔ اس کا اوپری ہونٹ غیر ارادی طور پر کپکپانے لگا۔

اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ابھی سب کے سب اُس کی حالت پر ہنس پڑیں گے۔ آخر وہ جی کڑا کر کے اُٹھا، خود ہی چائے بنائی اور پینے لگا۔

”لاؤاب نکالو پندرہ پاؤنڈ۔۔۔۔!“ رمونا اس کا شانہ تھپک کر بولی۔

”میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“حمید نے مُنہ بنا کر کہا۔

”ہٹاؤ جانے دو۔۔۔۔!“ فریدی سنجیدگی سے بولا۔ ”ورنہ رو دے گا۔ میں نے پندرہ پاؤنڈ معاف کر دیئے۔“

”واہ شہزادے صاحب۔“ رمونا حمید کے چہرے کے پاس انگلی نچا کر بولی۔ ”ساری شرارت رُخصت ہو گئی۔“

حمید نے جھلّا کر چائے کی پیالی پٹخ دی اور کیبن میں گھُس گیا فریدی اور انور بے اختیار ہنس پڑے۔

”واقعی آپ نے کمال کر دیا۔“ انور نے کہا۔ ”یہ حضرت۔۔۔۔!“

”کیا بات تھی؟“ رمونا نے انور سے پوچھا۔ انور نے سارا واقعہ دہرا دیا اور رمونا بھی ہنس پڑی۔ کشتی کی رفتار پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ یہاں چاروں طرف چھوٹے چھوٹے جزیروں کا جال سا پھیلا تھا۔ اس لیے تموج زیادہ نہیں تھا۔

سہ پہر کو انہیں بیرن آئی لینڈ کے آثار دکھائی دینے لگے۔ جزیرہ کُچھ عجیب سالگ رہا تھا۔ دور سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی سبز رنگ کی ڈبیا پر بھورے رنگ کا ڈھکن چڑھا ہوا ہو۔

"وہی ناقابلِ عبُور چٹّانیں ہیں۔" ڈیگاریکا نے کہا۔ "اِن کے گرد گھنے جنگل ہیں اور ان کے درمیان میں ہماری بستیاں۔"

"یہ چٹّانیں بظاہر خُشک معلوم ہوتی ہیں لیکن اِن کے اوپر بھی جنگل ہیں گھنے اور خوفناک۔"

فریدی انور اور حمید نے اپنی دُوربینیں نکال لی تھیں۔ آہستہ آہستہ وہ جزیرے سے قریب ہوتے گئے۔ سمندر جزیرے میں دور تک گھستا چلا گیا تھا۔ جب انہوں نے اپنی کشتی روکی تو وہ گھنے جنگلوں کے درمیان میں تھے۔

وہ صرف ضروری سامان اور میگزین کی وافر مقدار اپنے ساتھ لائے تھے۔ کشتی کے بادبان کھولے گئے اور تھری پلائی ووڈ کا فولڈنگ کیبن تہہ کر کے کشتی سمیت

گھنی جھاڑیوں میں چھُپا دیا گیا۔ انور ڈیگاریکا اور حمید نے سامان کے تھیلے لادے۔ کاندھوں پر رائفلیں لٹکائیں اور چل پڑے۔ رمونا کے ہاتھ میں کھانے کی جھابی تھی۔

”لاؤ یہ مُجھے دے دو۔“ حمید نے کہا۔ اس کا موڈ ٹھیک ہو گیا تھا۔

”نہیں۔۔۔۔ تُم پر یونہی کئی گدھوں کا بوجھ لدا ہوا ہے۔“ رمونا بولی۔

”خیر چلو ایک گدھی۔۔۔۔ ارے اف۔“ حمید نے اپنا مُنہ دبا لیا اور پھر ہکلانے لگا۔ ”میرا۔۔۔۔ مم۔۔۔۔ مطلب۔۔۔۔!“

”نہیں نہیں کہہ لو۔۔۔۔ گدھی بھی کہہ لو۔ مُجھے بُرا نہیں معلوم ہوا۔“ رمونا نے کہا۔

”غَلَطی ہوئی کیا بتاؤں۔ بات یہ ہے کہ جب مُجھ پر محبّت سوار ہوتی ہے تو میں بالکل اُلّو ہو جاتا ہوں۔“

”کیا تُم پر ہر وقت محبّت سوار رہتی ہے؟“ رمونا نے بھولے پن سے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔۔نہ۔۔۔۔نہ۔۔۔۔کیا مطلب۔۔۔۔؟ کیا میں ہر وقت اُلّو معلوم ہوتا ہوں؟“

”قطعی۔۔۔۔!“ رمونا نے کہا اور مُسکرانے لگی۔ حمید ٹھنڈی سانس بھر کر خاموش ہو گیا۔

پھر تھوڑی دیر بعد رمونا بولی۔ ”ہم بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ جلدی کرو۔“

”تو تُم کیا سچ مچ میرا دِل توڑ دو گی؟“ حمید ڈرامائی انداز میں بولا۔

”نہیں۔۔۔۔اُبال کر کھاؤں گی۔“ رمونا نے کہا اور تیز قدم بڑھانے لگی۔

”خیر ایک دِن تُم میری لاش پر آنسو بہاؤ گی۔“ حمید نے کسی ناکام عاشق کے پُردرد لہجے کی نقل اتاری۔

”اگر تمہاری لاش بھی اُلّو نہ معلوم ہوئی تو۔“

رمونا آگے بڑھ گئی اور حمید بدستور رینگتا رہا۔ انور نے پلٹ کر دیکھا اور اس نے

بھی اپنی رفتار سُست کر دی۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں دوسروں سے کافی فاصلے پر ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

"فریدی صاحب کی صحبت نے بھی تمہارے کردار پر کوئی اثر نہ ڈالا۔" انور نے کہا۔

"جی۔۔۔!" حمید نے داہنے ابرو کو جنبش دی۔ "فریدی صاحب کی صحبت مُجھے مکھّی مار کاغذ تو بنا نہیں سکتی کہ زد پر آئی ہوئی ہر مکھّی بس چپک کر ہی رہ جائے اور پھر میں مرد ہوں۔ ایک اثباتی قوّت، منفی قوّتوں کے پیچھے دوڑنا ہی میری معراج ہے۔"

"اور منفی قوّتیں پلٹ کر تمہارے مُنہ پر تھوکتی بھی نہیں۔" انور مُسکرا کر بولا۔

"زیادہ بڑھ کر باتیں نہ کرو۔ تُم شاید یہ بھول رہے ہو کہ ایک لڑکی ہی کے لیے تُم بھی جھک مارتے پھر رہے ہو۔"

"لیکن اس میں بھی میں نے اپنا وقار قائم رکھا ہے۔" انور نے کہا۔

”وقار۔۔۔!“ حمید نے زہر خند کے ساتھ بولا۔ ”تُم جیسے لوگوں کے وقار اور مُرغیوں کے غمزے میں مجُھے کوئی فرق نہیں دکھائی دیتا۔“

”خیر ہٹاؤ مجُھے کیا۔“ انور اُکتا کر بولا۔ ”مجُھے یہ سب پسند نہیں۔“

”آخّاہ۔۔۔ تو کیا سچ مچ آپ اس کے بھائی بن گئے ہیں۔“

”فضول کی باتیں مت کرو۔“

”اچھّا جی! ابے انور کے بچّے۔ اگر تمہارے دماغ میں کیڑے کلبلائے تو اچھّا نہ ہو گا۔“

دونوں اُلجھ پڑے تھے اور ان کی آوازیں آہستہ آہستہ بلند ہوتی جارہی تھیں۔ حمید نے سامان کا تھیلا زمین پر ڈال دیا تھا اور کاندھے سے رائفل اتارنے لگا۔ انور بدستور کھڑا تھا۔ فریدی وغیرہ نے ان کی آوازیں سُن لی تھیں۔ فریدی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ان کی طرف آیا۔

”کیا حماقت ہے! حمید تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ہے؟“ فریدی ان کے

درمیان میں آتا ہوا بولا۔

”انور کو منع کیجیے۔“

”"کیا بات ہے بھئی؟“ فریدی انور کی طرف مُڑ کر بولا۔

”کُچھ نہیں۔۔۔۔!“ انور نے مُسکرا کر کہا۔ ”شاید حمید کے بدن میں درد ہو رہا ہے۔“

قبل اِس کے کہ حمید کُچھ کہتا رمونا نے اس کے قریب پہنچ کر اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔

”چہ چہ، ہٹاؤ بھی۔ جانے دو۔ ورنہ کہیں مُجھے سچ مچ تمہاری لاش پر آنسو بہانے پڑیں۔“ رمونا سنجیدگی سے بولی اور انور ہنس پڑا۔

”تُم دونوں ضرورت سے زیادہ احمق ہو۔“ فریدی نے حمید اور انور کو مخاطب کر کے کہا۔ ”یہ لڑنے کا موقع ہے؟“

"بات کیا تھی؟" ڈیگاریکا نے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" انور جلدی سے بولا۔ "کبھی کبھی حمید کے سر پر چھپکلی سوار ہو جاتی ہے۔"

"سن رہے ہیں آپ؟" حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر تیز لہجے میں کہا۔

"انور اب فضول باتیں بند کرو!"

انور خاموشی سے آگے بڑھ گیا اور رمونا حمید کے کاندھے پر تھیلا لادنے لگی۔

"چلو میرے اُلّو شہزادے آگے بڑھو۔" رمونا نے آہستہ سے اس کے کان میں کہا۔

وہ پھر چل پڑے۔ سورج غروب ہوتے ہوتے چٹّانوں کا سِلسِلہ صرف ایک میل کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔

"واقعی ناقابل عبور معلوم ہوتی ہیں۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ایسی چٹّانیں

آج تک میری نظروں سے نہیں گزریں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ کسی عظیم الشّان قلعے کی دیواریں ہوں۔"

"اِن کی بُلندی ایک ہزار فٹ سے کسی طرح کم نہیں۔" ڈیگاریکا بولا۔

"محض انہیں چٹّانوں کی وجہ سے مہذّب دُنیا اس جزیرے کو غیر آباد سمجھتی ہے۔"

"سمجھنا ہی چاہیے۔" فریدی نے کہا۔ "خود مُجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ان چٹّانوں کے پیچھے زندگی کے آثار نہیں ہیں۔"

"رات یہیں کہیں گزاری جائے گی۔" ڈیگاریکا بولا۔

وہ رات انہوں نے ایک درخت کے نیچے بسر کی۔ ڈیگاریکا کے بیان کے مطابق چٹّانوں کے اِدھر درندے نہیں پائے جاتے تھے اس لیے انہوں نے دِن بھر کی تھکن نہایت اطمینان دور کی۔ دوسرے دِن صُبح ناشتہ کرنے کے بعد وہ پھر چٹّانوں کی طرف چل پڑے اس حصّے میں بھی گھنے جنگل تھے۔ ڈیگاریکا نے عام

راستہ اختیار نہیں کیا تھا۔ اس لیے انہیں کلہاڑی کی مدد سے خود ہی راستہ بنانا پڑا۔ فریدی نے چوڑے پھل کی ایک چمکدار کلہاڑی سنبھال رکھی تھی اور راستے میں آئی ہوئی شاخوں اور جھاڑیوں کو ہٹاتا جا رہا تھا۔ دو تین گھنٹوں کی محنت کے بعد وہ چٹّانوں کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں چٹّانوں کے نیچے حدِّ نظر تک بانسوں کا عظیم الشّان جنگل پھیلا ہوا تھا۔

فریدی، انور اور حمید ایک ہزار فٹ اونچی چٹّانوں کی طرف حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انسانی ہاتھوں نے ان کی سطح ہموار کی ہو۔ وہ نیچے سے اوپر تک سطح اور سیدھی کھڑی ہوئی تھیں۔ ڈیگاریکا نے ایک طرف اشارہ کیا اور وہ سب بانسوں کے جنگل میں گھسنے لگے۔

اب وہ چٹّانوں کے نیچے مشرق کی طرف بڑھ رہے تھے۔ تقریباً دو گھنٹے تک چلتے رہنے کے بعد ڈیگاریکا نے ہاتھ اٹھا کر انہیں رُکنے کا اشارہ کیا۔ یہاں جنگل کافی گھنا تھا اور چٹّان کے ایک حصّے پر جنگلی بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔

ڈیگاریکا نے کلہاڑی فریدی کے ہاتھ سے لے لی اور بیلیں ہٹانے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے مُنہ سے چیخ نکلی اور وہ کلہاڑی سمیت اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ کلہاڑی کے دستے سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔

"کیا ہوا۔۔۔؟" فریدی نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"راستہ بند کر دیا گیا۔" ڈیگاریکا نے مایوسانہ انداز میں کہا اور اس کے ہاتھ سے کلہاڑی چھوٹ پڑی۔ اُس کی نظریں اس حصّے پر جمی ہوئی تھیں جہاں سے اس نے بیلوں کا جھنکاڑ ہٹایا تھا۔ یہ ایک گڑھا سا تھا جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔

"غار کا دہانہ۔۔۔!" ڈیگاریکا آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ڈان ونسنٹ یہاں پہنچ گیا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا؟" فریدی اُکتا کر بولا۔

"یہاں ایک دو فرلانگ لمبی قدرتی سُرنگ تھی جس کے دہانے سے کُچھ دور ہٹ کر ایک ندی ہے۔ انہوں نے شاید ندی سے سُرنگ کو ملا دیا ہے۔"

ڈیگاریکا خاموش ہو گیا۔ وہ لوگ اس طرح خاموش تھے جیسے کسی لاش کے سرہانے کھڑے ہوں۔ دفعتاً کسی طرف سے ایک فائر ہوا اور گولی حمید کی پیٹھ سے لدے ہوئے تھیلے کو چھیدتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔

"پیچھے ہٹو۔۔۔!" فریدی بے اختیار چیخا اور اُچھل کر چٹّان سے آلگا۔ بقیہ لوگ بھی اس کے پیچھے بھاگے۔ پھر دوسرا فائر ہوا۔ رمونا کے مُنہ سے چیخ نکلی اور وہ غار کے وسیع دہانے میں گِر پڑی۔ دیکھتے ہی دیکھتے پانی کی سطح پر لہراتے ہوئے سنہرے بال بھی غائب ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی فریدی نے بھی گڑھے میں چھلانگ لگا دی۔ بقیہ لوگ اس بری طرح سے گھبرا گئے تھے کہ انہوں نے مخالف سمت دوڑنا شروع کر دیا۔

فائروں کی آوازیں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد سُنائی دے رہی تھیں۔

فریدی کا سر پانی کی سطح پر ابھرا اور ساتھ ہی رمونا کے سنہرے بال بھی دکھائی دیئے جنہیں اس نے اپنی مُٹھّی میں جکڑ رکھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد رمونا زمین پر چِت پڑی ہوئی تھی اور فریدی قریب ہی بیٹھا اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ فائر ابھی تک ہو رہے تھے۔ فریدی نے سمت کا اندازہ لگالیا تھا اوپر سے کوئی گولیاں چلا رہا تھا۔ لیکن فریدی ایسی جگہ پر تھا جو گولیوں کی زد سے باہر تھی۔ فریدی نے رمونا کی طرف دیکھا۔ اس کی سانسیں آہستہ آہستہ معمول پر آرہی تھیں۔

کُچھ دیر بعد وہ ہوش میں آگئی۔ اسی دوران میں سمت مخالف سے بھی فائر ہونے شروع ہو گئے تھے۔

"ڈرو نہیں۔۔۔۔ تمھیں گولی نہیں لگی تھی۔" فریدی نے کہا۔ "تُم گھبراہٹ میں گڑھے میں گر گئی تھیں۔"

"وہ لوگ کہاں ہیں؟" رمونا نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔۔۔۔ میں نے تو تمہارے بعد ہی گڑھے میں چھلانگ لگا دی اور جب باہر آیا تو وہ لوگ یہاں نہیں تھے۔"

”تو وہ لوگ بھاگ گئے۔“ رمونا نے آہستہ سے کہا۔ ”اگر تُم نہ ہوتے تو میں اسی گڑھے میں ڈوب جاتی۔“

فریدی کُچھ کہنے ہی جارہا تھا کہ ایک گولی ان کے قریب ہی آکر لگی اور فریدی نے رمونا کو اپنی طرف کھینچ لیا۔

”بس اس چٹّان سے چپکی رہو۔“ وہ آہستہ سے بولا اور قریب پڑی ہوئی رائفل اٹھا کر اوپر کی طرف دیکھنے لگا۔ چٹّان کے ایک کٹاؤ کے درمیان ایک سیاہ دھبّہ نظر آ رہا تھا۔ ایک متحرک دھبّہ۔ دوسرے لمحے میں فریدی کی رائفل سے شعلہ نکلا اور دیکھتے ہی دیکھتے دھبّہ نیچے کی طرف لڑھکنے لگا۔ پھر قریب ہی سے کسی وزنی چیز کے گرنے کی آواز آئی۔ رمونا چیخ کر اُچھل پڑی۔ ان سے کُچھ فاصلے پر خون میں ڈوبے ہوئے گوشت کے لوتھڑوں کا ایک ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ رمونا دوسری چیخ کے ساتھ فریدی سے لپٹ گئی۔

فریدی نے اسے الگ ہٹا کر پھر اوپر کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

”البرانو۔۔۔!“ رمونا پھر چیخی اور اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا تھا۔

”تُم نے بحرین میں کیا کہا تھا۔۔۔؟“ فریدی بدستور اوپر کی طرف دیکھتا رہا۔ پر سکون لہجے میں بولا۔ ”کیا تُم اپنے بھائی کے قاتلوں کے خون سے اپنے بال نہیں رنگو گی؟“

رمونا نے فریدی کے چہرے کی طرف دیکھا جو ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آرہا تھا۔

رمونا سہم گئی۔

”کیوں۔۔۔؟“ فریدی نے اس کی طرف دیکھا۔ فائر ہونے بند ہو گئے تھے۔ مخالف سمت میں بھی خاموشی تھی۔ رمونا اوپر سے گرنے والی لاش کی طرف سے مُنہ پھیر کر بیٹھ گئی۔ فریدی نے احتیاطاً پھر ایک فائر کیا۔ تھوڑی دیر تک جوابی فائر کا انتظار کرتا رہا لیکن دوسری طرف مکمّل خاموشی رہی۔ فریدی نے دو تین

فائر اور کیے مگر جواب ندارد۔

"شاید ایک ہی تھا۔" وہ رمونا کی طرف مُڑ کر بولا اور لاش کی طرف بڑھنے لگا۔

"ٹھہرو!" رمونا گھبرا کر بولی۔ "کہاں جا رہے ہو؟"

"تجربات میں اضافہ کرنے۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "میں یہ دیکھوں گا کہ ایک ہزار فٹ کی بلندی سے گرنے والے کی لاش کیسی ہو جاتی ہے۔"

رمونا نے فریدی کی طرف مُڑ کر دیکھا، اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

فریدی نے مُسکرا کر سر کو خفیف سی جنبش دی اور لاش پر جھک پڑا۔ وہ کافی دیر تک اسے الٹتا پلٹتا رہا۔ پھر رمونا کی طرف لوٹ آیا۔

"آؤ چلیں۔۔۔۔! وہ اسی طرف بھاگے ہوں گے۔" فریدی نے مخالف سمت میں اشارہ کر کے کہا۔

"مُجھ میں اُٹھنے کی بھی سکت نہیں رہ گئی ہے۔" رمونا نحیف آواز میں بولی۔

فریدی نے تھیلا اُٹھا کر پیٹھ پر لادا۔ رائفل کاندھے پر لٹکائی اور زمین پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”لو آؤ تُم بھی لدو۔۔۔۔ چلو بھی جلدی کرو۔۔۔۔ یہ وقت تکلّفات کا نہیں۔ معلوم نہیں اُن پر کیا گزری ہو۔ مُجھے حیرت ہے کہ میرا ساتھی بھی واپس نہ آیا۔“

اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ مخالف سمت جارہا تھا۔ تھیلے کے ساتھ ساتھ رمونا بھی اس کی پیٹھ پر لدی ہوئی تھی۔ دو تین فرلانگ چلنے کے بعد انہوں نے عجیب مضحکہ خیز منظر دیکھا۔ انور حمید اور ڈیگاریکا بانسوں کے جھنڈ میں پھیلی ہوئی بیلوں کے جال میں بُری طرح پھنسے ہوئے رہائی کے لیے ہاتھ پیر مار رہے تھے۔ فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔ ڈیگاریکا نے رمونا کو دیکھ کر چیخ ماری۔ اگر انور اسے سہارا نہ دیتا تو گر پڑا ہوتا۔

پھر بھی تھوڑی دیر کے لیے وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ شاید وہ رمونا کی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔ فریدی رمونا کو اُتار کر آگے بڑھا۔

”یہ کیا ہوا۔۔۔؟“

”ہم اِن خوفناک بیلوں سے بے خبر فائر کرتے ہوئے پیچھے ہٹ رہے تھے کہ اچانک انہوں نے ہمیں جکڑ لیا۔“ انور نے کہا۔ ”چاقو اور کلہاڑی آپ کے تھیلے میں رہ گئے تھے۔“

فریدی نے چاقو کی مدد سے انہیں بیلوں کے جال سے آزاد کیا۔ حمید کی نظریں رمونا پر جمی ہوئی تھیں جو فریدی کی پیٹھ پر لد کر یہاں تک پہنچی تھی۔ پھر ڈیگاریکا نے آنسوؤں اور آہوں کے درمیان رمونا کے بچ جانے کی داستان سُنی۔

”لیکن ایک خوشخبری بھی سنیے۔“ انور نے کہا۔ ”اگر ہم اس جال میں نہ پھنستے تو یہ ہماری انتہائی بدنصیبی ہوتی۔“

”یعنی۔۔۔؟“

”ان بیلوں کے درمیان میں ایک غار موجود ہے اور ڈیگاریکا کا خیال ہے کہ اس کا دہانہ اسی طرف ہو گا۔“

”صرف خیال ہے کہ یا یقین بھی؟“ فریدی نے ڈیگاریکا کی طرف دیکھ کر کہا۔

”صرف خیال۔“ ڈیگاریکا بولا۔

”ہاں۔۔۔۔ آں کدھر۔۔۔۔؟“ فریدی بیلوں کے جھکڑوں کی طرف مُڑ کر بولا۔

ڈیگاریکا آگے بڑھ کر کلہاڑی کی مدد سے بیلیں ہٹانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد غار کا دہانہ دکھائی دیا۔

”تُم دونوں رمونا کے ساتھ ٹھہرو۔“ فریدی نے انور اور حمید سے کہا اور تھیلے سے ایک پستول اور ٹارچ نکال کر ڈیگاریکا کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا غار میں اتر گیا۔

کئی حادثے

چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ فریدی نے ٹارچ روشن کرلی۔ آگے چل کر غار نے سُرنگ کی شکل اختیار کرلی تھی۔ کائی اور سیلن کی بدبُو سے دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ فریدی کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا ہر قدم جہنّم کی طرف اُٹھ رہا ہو اور یہ بھی عجیب بات تھی کہ گرمی کے باوجود بھی اس کے جسم سے پسینے کی ایک بوند بھی نہ چھوٹی۔ وہ آگے بڑھتے رہے۔ دفعتاً انہیں عجیب قسم کی پھنپھناہٹ سُنائی دی۔ دونوں رُک گئے۔ آواز کی طرف فریدی نے روشنی ڈالی اور دوسرے ہی لمحے میں اس کے پستول سے شعلہ نکلا اور ایک بہت بڑا سانپ اُچھل کر ان کی

راہ میں حائل ہو گیا۔ اس نے دو تین بار زمین پر سر پٹخا اور پھر ٹھنڈا ہو گیا۔

"بڑا اسچّا نشانہ ہے۔" ڈیگاریکا مُضطربانہ انداز میں بولا۔

فریدی نے اِدھر اُدھر روشنی ڈالنی شروع کر دی۔ ایک جگہ بہت سارے بڑے بڑے انڈے دکھائی دیئے۔

"بڑی حیرت ہوئی۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "ورنہ انڈوں پر بیٹھی ہوئی مادہ بڑی خطرناک ہوتی ہے۔"

"مگر اس قسم کا سانپ یہاں خطِ سرطان پر کیسے؟"

"کیوں۔۔۔۔؟"

"یہ جارا کا سانپ تھا جو صرف جنوبی امریکہ کے استوائی خطوں میں پایا جاتا ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "احتیاط سے چلو۔۔ ممکن ہے کہ اس کا ساتھی بھی مل جائے۔ یہ اپنی قسم کا انتہائی شریر سانپ ہوتا ہے۔"

"سانپوں کے متعلّق تُم کیا جانو۔" ڈیگاریکا کے لہجے میں تحیّر تھا۔

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر بڑھتا رہا۔ آگے چل کر انہیں روشنی دکھائی دی پھر کُچھ سرسبز جھاڑیاں نظر آئیں۔ ڈیگاریکا نے سینے پر اپنے ہاتھ سے صلیب کا نشان بنا کر ایک لمبی دُعا پڑھی پھر فریدی سے بولا۔ "بے شک یہ راستہ ایک بالکل ہی نئی دریافت ہے۔"

وہ دونوں واپس لوٹے۔ فریدی نے انور وغیرہ کو بتایا کہ وہ ایک نیا راستہ دریافت کرنے میں سچ مچ کامیاب ہو گئے ہیں۔ پھر یہ بحث چھڑ گئی کہ ان کی روانگی رات پر ملتوی کر دی جائے یا اسی وقت چٹّانیں پار کی جائیں۔

"میرا خیال ہے کہ ہم دِن ہی دِن نکل چلیں کیونکہ اُدھر کا جنگل خطرات سے بھرا پڑا ہے۔" ڈیگاریکا بولا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "ہمارے دُشمنوں میں سے یہاں شاید صرف ایک ہی تھا جسے میں نے ختم کر دیا۔"

”آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔“ حمید بولا۔

”قیاس ہے۔ اگر وہ اکیلا نہیں تھا تو اس کی موت پر اس کے ساتھیوں کو کافی اودھم مچانا چاہیے تھا۔ اپنی دانست میں وہ ہمارا راستہ تو بند ہی کر چکے تھے۔“

تھوڑی دیر بعد وہ چل پڑے۔ رمونا کی نقّاہت ابھی دور نہیں ہوئی تھی۔

اس لیے اس بار اسے اس کے باپ نے اپنی پیٹھ پر لاد رکھا تھا۔

”کاش۔۔۔۔!“ حمید آہستہ سے بولا۔

”چپ چپ۔“ انور نے اُسے چھیڑا۔ ”تُم یوں ہی دھان پان ہو پیارے۔ بھلا یہ نو مَن کی لاش تُم سے کبھی سنبھلتی۔ اچھّا ہی ہوا اور رہا فریدی صاحب کا معاملہ تو آن سعادت بزور بازو بود۔“

”اچھّا اب مُنہ میں لگام دیجیے۔ ورنہ مجبوراً مُجھے نوّاب چابک نواز جنگ بہادر بننا پڑے گا۔“

غار کے دوسرے دہانے سے نکلنے کے بعد انہوں نے خود کو ڈھلوان چٹّانوں کی ایک چھوٹی سی وادی میں پایا۔ ڈیگاریکا تھوڑی دیر تک کھڑا سمتوں کا اندازہ لگاتا رہا پھر ایک طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ ”ہمیں ادھر سے چڑھنا ہوگا۔“

چٹّانوں کی بناوٹ بتا رہی تھی کہ یہاں کبھی آتش فشاں پھوٹتے رہے ہوں گے۔ گھنی جھاڑیوں سے گزرتے ہوئے وہ ڈیگاریکا کے بتائے ہوئے راستے پر چڑھنے لگے۔ ڈیگاریکا بُری طرح تھک گیا تھا اور اب اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ رمونا سمیت چڑھائی پر نہ چل سکے گا۔ مجبوراً فریدی کو اپنی خدمات پیش کرنی پڑیں۔

”البرانو مُجھے سخت شرمندگی ہے۔“ رمونا نے آہستہ سے کہا۔

”پرواہ مت کرو۔“ فریدی بولا۔

راستے میں انور ڈیگاریکا اور حمید ستانے کے لیے کئی جگہ رکے۔ مگر فریدی بدستور چلتا رہا۔

”البرانو تُم گوشت پوست کے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔“ رمونا نے کہا۔

”وہ بھی یہی کہتے ہیں جنہیں میں گلا گھونٹ کر مار ڈالتا ہوں۔“

”البرانو تمہیں کشت و خون کے علاوہ کسی اور چیز سے بھی دلچسپی ہے؟“ رمونا نے پوچھا۔

”ہاں کیوں نہیں۔۔۔۔ مُجھے سرسبز مرغزاروں سے پیار ہے۔ میں نیلے آسمان کی بے کراں وسعتوں کو پیار کرتا ہوں۔ مُجھے بیلے کی ننّھی ننّھی کلیوں سے محبّت ہے۔ مُجھے اس وقت اُفق بڑا حسین لگتا ہے، جب غروب کے بعد رنگین لہریئے آہستہ آہستہ تاریکیوں میں گھلنے لگتے ہیں۔ مُجھے ہری ہری گھاس کی سوندھی خوشبو سے عشق ہے۔ مُجھے چاندنی راتوں کا عظیم سنّاٹا بے حد پسند ہے۔“

”کُچھ اور بھی۔۔۔؟“

”بہت کُچھ۔۔۔۔!“

”کیا۔۔۔؟“

”اب اِس وقت تو یاد نہیں آ رہا ہے پھر کبھی اطمینان سے پوچھنا۔“ فریدی اُکتا کر بولا۔

”تُم جو کُچھ پوچھنا چاہتی ہو یہ کبھی نہ بتائے گا۔“ پیچھے سے حمید کی آواز آئی۔ ”میں تمہیں بتاؤں۔۔۔۔ اسے عورتوں سے نفرت ہے۔“

”شَٹ اپ۔۔۔۔!“ فریدی مُڑ کر بولا۔

”رمونا میں تُم سے حقیقت بیان کر رہا ہوں۔“

”کیوں البرانو۔۔۔۔!“ رمونا نے جھک کر اس کے کان میں کہا۔

”ٹھیک کہتا ہے۔ مُجھے عورتوں اور ان سے عشق کے ڈھکوسلوں سے دلچسپی نہیں۔“ فریدی بولا۔

”لیکن نفرت نہیں کرتے؟“ رمونا نے پوچھا۔

”بھلا نفرت کیسے کر سکتا ہوں جبکہ میری ماں بھی عورت ہی تھی۔“

رمونا کُچھ سوچنے لگی۔ حمید نے اپنی دانست میں بڑا تیر مارا تھا۔

"البرانو تُم تھک گئے ہو گے۔" رمونا تھوڑی دیر بعد بولی۔

"فکر مت کرو۔" حمید چہک کر بولا۔ "البرانو کا دماغ پلٹتے دیر نہیں لگتی۔ یہ تو تُم دیکھ ہی چکی ہو کہ کسی کی جان لے لینا، اس کے بائیں ہاتھ کا کام ہے اور کسی کو قتل کرنے کے بعد اسے ذرّہ برابر بھی افسوس نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب تھک جائے گا تو تمہیں بھی کسی گہری کھائی میں پھینک کر اس طرح مطمئن نظر آئے گا جیسے اس نے اپنے کان پر رینگتی ہوئی چیونٹی جھاڑ دی ہو۔"

فریدی بے اختیار ہنس پڑا اور رمونا سچ مچ کُچھ خائف سی نظر آنے لگی۔ اچانک اس کے دِل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ فریدی اس تبدیلی کو محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ اسے حمید کی اس حرکت پر غصّہ آگیا۔

"ٹھہرو۔۔۔۔!" وہ حمید کی طرف مُڑ کر بولا۔ حمید رُک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

"اب تُم لے چلو گے رمونا کو۔" فریدی نے کہا۔ اس کی سنجیدگی دیکھ کر حمید سہم گیا۔

"میں۔۔۔۔میں؟"

"چلو اٹھاؤ۔۔۔۔!" فریدی سخت لہجے میں بولا۔ اس نے رمونا کو نیچے اُتار دیا تھا۔

"دیکھئے مذاق کی بات نہیں۔" حمید گھبرا کر اُردُو میں بولا۔

"میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔" فریدی نے کہا اور اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔

"اوپر پہنچنے سے پہلے ہی مر جاؤں گا۔"

"چلو۔۔۔۔!" فریدی مُکّا تان کر بولا۔

"انّا لِللہ و اِنّا الیہ راجعون۔" حمید رمونا کے آگے جھکتا ہوا بولا۔ فریدی نے رمونا کو اشارہ کیا اور وہ چپ چاپ اس کی پیٹھ پر چڑھ گئی۔ حمید سیدھا ہوتے وقت بُری طرح ڈگمگایا۔

”اب یہ تُم سے باقاعدہ محبّت شروع کر دے گی۔“ فریدی زہر خند کے ساتھ بولا۔

”چلو چلو آگے بڑھو۔ اگر تُم ذرا بھی رکے تو بڑی شاندار ٹھوکر رسید کروں گا۔“

ہر ہر قدم پر حمید کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے تھے۔ رمونا خاصی تندرست اور دراز قد لڑکی تھی۔ رمونا بھی محسوس کر رہی تھی کہ حمید زیادہ دور تک نہیں چل سکتا۔ لیکن وہ خاموش تھی نہ جانے کیوں۔ اس وقت وہ فریدی سے گفتگو کرنے میں خوف محسوس کرنے لگی تھی۔

”میں رمونا سمیت کسی گہری کھائی میں چھلانگ لگا دوں گا۔“ حمید فریدی کی طرف مُڑ کر ہانپتا ہوا بولا۔

”اچھّا خُدا حافظ۔۔۔۔ قیامت کے دِن ملاقات ہو گی۔“ فریدی سلام کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ڈیگاریکا اور انور کافی دور تھے۔ ڈیگاریکا کی وجہ سے انور بھی آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

فریدی تھوڑی دور چلنے کے بعد مُڑا۔ حمید رمونا کو اُتار کر ڈیگاریکا وغیرہ کی طرف لوٹ رہا تھا اور رمونا گرتی پڑتی آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔

فریدی تیزی سے اس کی طرف لوٹ پڑا۔

"تو اِس نے تمہیں اُتار دیا۔" فریدی نے کہا۔

"میں اب ٹھیک ہوں۔" رمونا نے آہستہ سے کہا۔

"آؤ!" فریدی زمین پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"نہیں۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔!" رمونا بے اختیار رو پڑی۔

"بے وقوف لڑکی، پگلی کہیں کی۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "میں نے اس کی قینچی کی طرح چلنے والی زبان بند کرنے کی کوشش کی تھی۔"

رمونا بدستور روتی رہی اور فریدی نے اسے پیٹھ پر اٹھالیا۔

"میرے ساتھی پر بُری طرح عشق کا بھُوت سوار رہتا ہے۔" فریدی ہنس کر

بولا۔ ”اُسے اِس وقت میں نے اُتار دیا۔“

رمونا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کسی خوفزدہ اور بے بس بچّے کی طرح سِسکیاں لے رہی تھی۔

”البرانو بُرا آدمی ضرور ہے مگر صرف دُشمنوں کے لیے۔“ فریدی نے اسے پھر دلاسا دیا۔

چٹّانوں کی آخری سطح پر پہنچ کر فریدی نے رمونا کو ایک درخت کے تنے کے سہارے بٹھا دیا اور خود ایک سِگار سُلگا کر ڈیگاریکا وغیرہ کا انتظار کرنے لگا۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی کہ یہاں چٹّانوں کی سطح بالکل ہموار ہو گئی تھی۔ حد نظر تک گھنے جنگل پھیلے ہو گئے تھے۔ ایسی چٹّانوں پر گھنے جنگل کی موجودگی معجزے سے کم نہ تھی۔ یہاں اسے سنبل کے بے شمار درخت دکھائی دیئے جو بڑے بڑے سُرخ پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔

”تمہیں بھوک لگ رہی ہو گی۔“ فریدی نے رمونا سے کہا۔

"نہیں تو۔۔۔!" رمونا آہستہ سے بولی۔

"آخر تُم مُجھ سے خوفزدہ کیوں ہو؟" فریدی ہنس کر بولا۔

"نہیں خوفزدہ تو نہیں۔" رمونا پھیکی مُسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "مُجھے اس کا افسوس ہے کہ تُم دونوں میں جھگڑا ہو گیا۔"

"جھگڑا۔۔۔!" فریدی متحیّر ہو کر بولا۔ اُس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ایک درخت کی جڑ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں اُسے چھوٹے بھائی کی طرح عزیز رکھتا ہوں۔ وہ دِن بھر تیں سینکڑوں بار مُجھ سے روٹھتا اور منتا ہے۔"

فریدی کُچھ اور کہنے جارہا تھا کہ ڈیگاریکا وغیرہ بھی پہنچ گئے۔ حمید کی آنکھیں غُصّے سے سُرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے فریدی کی طرف سے مُنہ پھیر لیا۔

"مُجھ میں تو اب چلنے کی سکت نہیں رہ گئی ہے۔" ڈیگاریکا بیٹھتا ہوا بولا۔

"فکر مت کرو۔ میرا ساتھی تمہیں لے چلے گا۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

"لعنت ہے ایسی زندگی پر۔" حمید نے جھلّا کر کہا اور تیزی سے ایک طرف بڑھنے لگا۔ فریدی نے جھپٹ کر اسے پکڑ لیا اور دبوچ کر اس کا سر سہلاتا ہوا آہستہ آہستہ کہنے لگا۔

"چہ چہ۔۔۔۔ میرے راج دلارے۔ برخوردار سلمہٗ، یہ تمہاری محبوبہ دلنواز کے والد صاحب سلمہٗ ہیں۔"

"کیا بات ہے۔" ڈیگاریکا ان کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "میں عورت نہیں ہوں کہ تمہاری پیٹھ پر لد کے چلوں گا۔"

"ہم دونوں آپس میں مذاق کر رہے ہیں۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا اور حمید کو کھینچتا ہوا رمونا کے پاس لایا۔ پھر اس نے حمید کو اس طرح تنگ کرنا شروع کیا کہ وہ بے اختیار چیخنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد رمونا مچھلیوں اور گوشت کے ڈبّے کھول رہی تھی۔ مختصر سا دستر خوان بچھ گیا۔

"یہ رات یہیں گزاری جائے۔" ڈیگاریکا نے کہا۔ "یہاں درندے نہیں معلوم ہوتے۔"

"اور اگر انہوں نے رمولی کو مار ڈالا تو۔۔۔۔" انور نے کہا۔ "یہ تو ظاہر ہے کہ ڈان ونسنٹ یہاں پہنچ گیا ہے ورنہ وہ راستہ نہ بند کرتے۔"

"یہاں رات کو سفر کرنا انتہائی خطرناک ہے اور جب ہم نہ ہوں گے تو رمولی کا کیا بنے گا۔ ویسے تو ممکن ہے کہ ہم اسے کسی نہ کسی طرح بچا ہی لیں۔"

وہ رات انہوں نے وہیں بسر کی اور باری باری سے سب لوگ جاگتے رہے۔

دوسری صُبح کو سفر پھر شروع ہو گیا۔ وہ کئی گھنٹے تک گھنے جنگلوں سے گزرتے رہے دفعتاً ڈیگاریکا چلتے چلتے رُک گیا۔

"میرا اندازہ غَلَط نکلا۔" اس نے پر ندامت انداز میں کہا۔ "میں سمجھتا تھا کہ اِس سمت میں چلنے پر ہم جلدی رسیوں کے پُل تک پہنچ جائیں گے۔"

"رسّیوں کا پُل۔۔۔۔!" فریدی کُچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ہاں چٹّانوں کے درمیان ایک گہری کھائی پر بنایا گیا تھا۔ دونوں چٹّانوں کا فاصلہ بیس پچیس فٹ سے زیادہ نہیں۔ اس کے آگے پھر کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ یہ پچیس فٹ چوڑی دراڑ میلوں تک پھیلی ہوئی ہے۔

فی الحال اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم کسی بہت اُونچے درخت پر چڑھ کر گردو پیش نظر دوڑائیں ورنہ کب تک اس طرح بھٹکتے پھریں گے۔"

حمید نے بُرا سا مُنہ بنایا۔

ڈیگاریکا ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "بس یہ ٹھیک رہے گا۔ ہمیں صرف اس دراڑ کا پتہ لگانا ہے۔ اس کے بعد پُل میں تلاش کرلوں گا۔"

"لیکن درخت پر چڑھے گا کون؟" انور نے کہا۔ "کم از کم مُجھ میں تو اتنے اُونچے درخت پر چڑھنے کی ہمّت نہیں۔"

"تُم میں کسی بات کی ہمّت نہیں۔" حمید نے اپنا تھیلا زمین پر گراتے ہوئے کہا۔ رائفل اُتار کر تھیلے سے لٹکا دی اور اب اپنے جوتے اتار رہا تھا۔ فریدی پر تشویش

انداز میں حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تُم چڑھ جاؤ گے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کیوں نہیں! کیا آپ مُجھے بھی انور سمجھتے ہیں۔" حمید نے اس انداز میں کہا کہ رمونا ہنس پڑی۔

دوسرے لمحے میں وہ بندر کی پھُرتی کے ساتھ درخت کے سپاٹ تنے پر چڑھ رہا تھا اور رمونا ہنسے جارہی تھی۔ حمید رمونا کی کھنکتی ہوئی ہنسی سے لطف اندوز ہوتا ہوا ایک شاخ سے دوسری شاخ پر پیر رکھتا اوپر کی طرف جارہا تھا۔ ایک جگہ رُک کر اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں کُچھ دور پر مغرب کی طرف ایک چوڑی سی سیاہ لکیر دکھائی دی جس کا سِلسِلہ بہت دور تک پھیلا ہوا تھا۔ حمید تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر دیکھ کر راستے کا تعین کرتا رہا۔ پھر نیچے اترنے لگا۔ دفعتاً اسے ایسا معلوم ہونے لگا جیسے کوئی اس کے پیچھے موجود ہو۔

حمید نے پلٹ کر دیکھا وہ سُرخ سرخ آنکھیں اس کی آنکھوں میں گھور رہی

تھیں۔ ان آنکھوں کے نیچے ایک چپٹی سی ناک تھی۔ نچلا جبڑا آگے کی طرف نکلا ہوا تھا۔ تھوڑی کے گرد سفید بالوں کے بڑے بڑے گچھے تھے۔ حمید ایک شاخ سے پھسل کر دوسری پر آرہا۔ یہ بھی اتّفاق ہی تھا کہ اوپر کی شاخ دوبارہ اس کی گرفت میں آگئی ورنہ ہڈّیاں سُرمہ ہو جاتیں۔ وہ اب تک حمید کی طرف گھور رہا تھا۔ دفعتاً اس نے اپنا مُنہ کھولا۔ ساتھ ہی حمید کا بھی مُنہ کھل گیا اور بے اختیار چیخیں نکلنے لگیں۔

"ڈرو نہیں۔" نیچے سے فریدی کی آواز آئی۔ "میں نے اسے دیکھ لیا وہ ایک بے ضرر قسم کا بندر ہے۔"

حمید کی چیخیں سُن کر وہ اُچھلا اور دوسری شاخ پر چلا گیا۔ حمید نے اب دیکھا کہ اس کے سارے جسم پر بھی ننّھے ننھے بال تھے۔ حمید تیزی سے نیچے اترنے لگا اور تقریباً دس فٹ کی بلندی سے چھلانگ لگا دی۔

"بے وقوف آدمی وہ بندر تھا۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "اینتھرہ پو اند کہلاتا ہے۔

دیکھو جغرافیہ یاد رکھنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے ورنہ تُم سچ مچ شہید ہو گئے ہوتے، مگر مُجھے اب جغرافیہ کی صحت پر بھی شُبہ ہونے لگا ہے۔ کیونکہ جغرافیہ کی رو سے اس قسم کے بندر خط سرطان پر نہیں پائے جاتے۔"

"تُم چیخنے کیوں لگے تھے؟" رمونا ہنس کر بولی۔

"چیخ کب رہا تھا۔" حمید بسورنے کی ایکٹنگ کرتا ہوا بولا۔ "میں تو رونے لگا تھا۔"

"کیوں۔۔۔۔؟" رمونا نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

"اس بارش اور برگزیدہ بندر کو دیکھ کر بے اختیار دادا جان مرحوم یاد آ گئے تھے۔"

"خیر۔۔۔۔ خیر۔۔۔۔!" فریدی مُنہ بنا کر بولا۔ "غیر دلچسپ باتیں مت کرو۔ کام کی بات کرو۔"

"کام کی بات یہ ہے کہ وہ بندر ہمارے نام اور پتے لکھ کر لے گیا ہے۔ اب با قاعدہ خط و کتابت کرتا رہے گا۔ اس سے طرفین کی خیر و عافیت وغیرہ معلوم ہو جایا

کرے گی۔"

"بکو مت۔۔۔۔!" فریدی چیخ کر بولا اور رمونا پھر ہنسنے لگی۔ فریدی درخت کی طرف بڑھا وہ خود ہی چڑھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ حمید نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا۔

"اتنے اُونچے درخت سے خودکُشی بے کار رہے گی کیونکہ سُراغ رساں لاش نہ پہچان پائیں گے کیا فائدہ۔" اس نے کہا۔

فریدی نے پلٹ کر اس کی گردن پکڑ لی۔

"بب بب بتاتا ہوں۔" حمید تلملا کر چیخا۔ فریدی نے گرفت ڈھیلی کر دی۔ وہ مُنہ بنا کر بولا۔ "مغرب کی طرف وہ دراڑ موجود ہے۔ شاید دو میل کا فاصلہ ہو گا۔ تو گردن چھوڑیئے نا۔ آپ مذاق پر آمادہ ہوں تب بھی میری ہی شامت، اور میں مذاق کروں تو شامت در شامت۔"

فریدی اس کی گردن چھوڑ کر ڈیگاریکا کی طرف متوجّہ ہو گیا۔

پھر وہ لوگ مغرب کی طرف چل پڑے۔ کُچھ دور چلنے کے بعد ڈیگاریکا کو کُچھ سننے

لگا۔ فریدی بھی چونک پڑا۔ وہ معنی خیز نظروں سے ڈیگاریکا کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"جنگلی قبائل کا جنگلی نقّارہ۔" ڈیگاریکا زیر لب بڑبڑایا۔ "یا تو وہ کسی سے جنگ کر رہے ہیں یا پھر ان کے کسی بڑے تہوار کا موقع ہے۔"

ہوا کے تیز جھونکے کے ساتھ پھر نقّارہ کی آوازیں لہراتی ہوئی آئیں اور جنگل کی وسعتوں میں ڈوبتی چلی گئیں۔

ہمیں کافی محتاط رہنا پڑے گا۔ ڈیگاریکا فریدی وغیرہ کی طرف مُڑ کر بولا اور چلنے لگا۔ نقّاروں کی آوازیں کہیں دور سے آتی معلوم ہو رہی تھیں۔ کبھی ہلکی اور کبھی تیز۔

ایک گھنٹے بعد وہ دراڑ کے قریب پہنچ گئے۔ فریدی نے کنارے جا کر نیچے کی طرف جھانکا۔ پانچ یا چھ سو فٹ سے کم گہرائی نہ رہی ہو گی اور پچیس تیس فٹ کی دوری پر دوسری چٹّانوں کا سِلسِلہ شروع ہو گیا تھا۔ ڈیگاریکا شمال کی طرف چلنے لگا۔ جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے جاتے تھے نقّاروں کی آوازیں قریب ہوتی معلوم ہو

رہی تھیں۔

"ناممکن۔۔۔۔بالکل ناممکن۔۔۔۔۔ اب کیا ہو گا؟" ڈیگاریکا لڑکھڑاتا ہوا بولا۔ اگر وہ ایک درخت کے تنے کا سہارا نہ لے لیتا تو اس کا گر جانا یقینی تھا۔

"کیا ہوا!" فریدی چیخا۔ ڈیگاریکا سنبھل چکا تھا۔ اس کے ہونٹ ہلے۔۔۔۔ مگر آواز نہ سُنائی دی۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اسے جھنجھوڑا اور وہ اس طرح چونک پڑا جیسے سوتے سوتے جاگا ہو۔

"پُل کاٹ دیا گیا ہے۔" وہ ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے بولا جس کے تنے سے موٹی موٹی رسّیاں لپٹی ہوئی تھیں۔

"اب کیا ہو گا؟ اب کیا ہو گا؟" وہ اس طرح بڑبڑایا جیسے اس پر ہسٹیریا کا دورہ پڑ گیا ہو۔

غیر متوقّع انجام

"تو اِس کا یہ مطلب ہوا ہے کہ ڈان ونسنٹ وغیرہ نے ہمیں یہاں داخل ہوتے دیکھ لیا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ورنہ پُل کے کاٹنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ کیونکہ انہوں نے اپنی دانست میں راستہ یہ بند کر دیا تھا۔ لیکن انہوں نے رات کو ہم پر حملہ کیوں نہیں کر دیا؟"

"ممکن ہے انہوں نے آج ہی ہمیں دیکھا ہو۔" انور نے کہا۔

"تُم ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی نے کُچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اگر ہم کوشش کریں تو

جلد ہی انہیں جالیں گے۔"

"مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔" ڈیگاریکا مایوسانہ لہجے میں بولا اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"البرانو مایوس ہونا نہیں جانتا۔" فریدی لاپروائی سے بولا اور وہ اس اُونچے درخت کو نیچے سے اُوپر تک دیکھ رہا تھا جس کے سہارے رسّیوں کا پُل بنایا گیا تھا۔

"وہ دیکھو۔۔۔۔!" حمید چیخا۔ سب کی نظریں اس کے ہاتھ کی طرف اُٹھ گئیں جو دراڑ کے پار اشارہ کر رہا تھا۔ بہت دور ایک اُبھری ہوئی چٹّان پر کئی آدمی چلتے دکھائی دے رہے تھے۔

"وہی ہوں گے۔" فریدی نے کہا اور تھیلا کھول کر کلہاڑی نکالنے لگا۔ بقیہ لوگ اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے درخت کے تنے پر کلہاڑی سے ضربیں لگانی شروع کر دیں۔

"کیا تمہارا دماغ بھی جواب دے گیا۔" ڈیگاریکا نے کہا۔

"کیوں؟ میں اِس دراڑ پر ایک دوسرا پُل بنانے جا رہا ہوں۔" فریدی نے مُسکرا کر

کہا۔

ڈیگاریکا کُچھ سوچنے لگا۔ پھر دفعتاً اچھل کر بولا۔ ”البرانو تُم معمولی آدمی نہیں ہو۔ نقشے کے فوق البشر ہو۔“

پھر وہ سب باری باری سے درخت پر کلہاڑی چلاّتے رہے اور شام ہوتے ہوتے انہوں نے اسے گرا ہی لیا۔ درخت دوسری طرف کی چٹاّنوں سے جالگا تھا۔

”مگر اِس کے چکنے تنے پر چلنا آسان کام نہیں۔“ ڈیگاریکا نے کہا۔

”سچ مچ تمہارا دماغ سوچنے کے قابل نہیں رہ گیا۔“ فریدی ہنس کر بولا۔ اس نے اپنی رائفل کاندھے پر لٹکائی اور سامان کا تھیلا پیٹھ پر باندھا اور درخت کے تنے پر بیٹھ کر دونوں طرف پیر اِدھر اُدھر لٹکا لیے اور پھر اس کی حالت دیکھ کر بے اختیار ہنسی آگئی۔ وہ تنے پر دونوں ہاتھ ٹیک ٹیک کر پھُدکتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ دوسرے کنارے پر پہنچ کر اس نے ان کی طرف دیکھا اور قہقہہ لگاتے ہوئے ہاتھ ہلانے لگا۔ پھر باری باری سے سب نے اس کی تقلید کی۔ تھوڑی دیر بعد وہ

سب دوسرے کنارے پر بیٹھے ہوئے چائے کا انتظار کر رہے تھے۔ رمونا نے اسٹوپ پر پانی چڑھادیا تھااور اب دودھ کے ڈبّے میں سوراخ کر رہی تھی۔

"یہ سوراخ میرے دِل میں ہو رہا ہے۔" حمید نے فریدی کی طرف جھُک کر آہستہ سے کہا۔

"اور اگر میں تمہارے سر میں بھی سوراخ کر دوں تو۔" فریدی نے بجھا ہوا سِگار پھینک کر کہا۔

"خُدا کی قسم۔۔۔۔اس کی انگلیاں۔۔۔۔ہے ہے۔"

"بس اب چُپ بھی ہو۔۔۔ ورنہ میں اس کی ٹانگ توڑ دوں گا۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں؟ کیوں؟ کیا کِیا ہے اس بے چاری نے؟"

"کُچھ نہیں۔۔۔!" فریدی حمید کو گھور کر بولا۔ "یہ اِس لیے کروں گا کہ وہ پھر تمہاری پیٹھ پر لد کر سفر کر سکے اور اس بار میں تمہاری کھال گرا دوں گا احمق

کہیں کے۔"

انہیں اچھّی طرح یقین ہو گیا تھا کہ ڈان ونسنٹ جزیرے میں ان کے داخلے سے لاعلم نہیں ہے۔ اس لیے ڈیگاریکا کی تجویز پر انہوں نے راستہ بدل دیا۔ ڈیگاریکا کا خیال تھا کہ اس طرح وہ ڈان ونسنٹ کو راستے ہی میں جالیں گے۔

سہ پہر کو وہ ایک ویران حصّے سے گزر رہے تھے۔ جنگلوں کا سِلسِلہ ختم ہو گیا تھا۔ چاروں طرف کتھّئی رنگ کی اونچی نیچی چٹّانیں بِکھری ہوئی تھیں۔ فریدی وغیرہ کی پانی کی بوتلوں میں کافی پانی موجود تھا۔ ورنہ اس سنگلاخ حصّے کو دیکھتے ہوئے ان میں سے ایک آدھ کا ہارٹ فیل ضرور ہو جاتا کیونکہ اس قسم کی چٹّانوں میں پانی تو بڑی چیز ہے پانی کا فریب دینے والی ریت بھی نہیں ملتی۔

دفعتاً فریدی چلتے چلتے رُک گیا۔

تھوڑی دیر تک کُچھ سُننے کی کوشش کرتا رہا پھر اپنے ساتھیوں کو رُکنے کا اشارہ کر کے ایک چٹّان پر چڑھ گیا اور جب وہ واپس آیا تو اس کی آنکھیں پُر اسرار طور پر

چمک رہی تھیں۔

"وہ آرہے ہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "تُم لوگ خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔"

تھوڑی دیر بعد انہیں قدموں کی آہٹیں سُنائی دینے لگیں۔

"وہ ہمیں نہیں دیکھ سکتے کیونکہ کافی نشیب میں ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "تُم لوگ اپنے جوتے اُتار لو۔"

وہ سب ننگے پیر چلنے لگے۔۔۔۔چلتے رہے حتّٰی کہ سورج دور کی پہاڑیوں میں جھکنے لگا۔ وہ برابر قدموں کی آوازیں سُنتے رہے تھے اور فریدی کبھی کبھی کسی نہ کسی پوشیدہ مقام سے دوسری طرف جھانکتا آیا تھا۔ ایک بار اس نے رُک کر اپنے ساتھیوں کو بھی رُکنے کا اشارہ کیا۔

"وہ لوگ یہاں پڑاؤ ڈال رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "ہمیں بھی رُک جانا چاہیے۔ وہ تعداد میں دس ہیں۔"

"فریدی تھوڑی دیر تک کُچھ سوچتا رہا پھر ڈیگاریکا کو مخاطب کر کے بولا۔ "کیوں نہ

ہم رمولی کو یہیں چھین لیں!"

"مگر یہ کس طرح ممکن ہے؟ ہم صرف چار ہیں۔" ڈیگاریکا نے کہا۔

"فکر مت کرو۔ ابھی میرے ہاتھ میں ایک ٹرمپ کارڈ موجود ہے۔"

"یعنی۔۔۔؟"

"ڈان الفریڈو۔۔۔!" فریدی نے کہا۔ "حالانکہ اس چہرے کی بناوٹ کُچھ ایسی تھی کہ میک اپ میں دشواری پیش آئے گی مگر خیر میں کوشش کرتا ہوں۔"

فریدی اپنے سامان کا تھیلا لے کر داہنی طرف کی چٹّانوں کے نیچے اُتر گیا اور پھر ایک گھنٹے کے بعد انہوں نے اُسے ڈان الفریڈو کی شکل میں دیکھا۔ اس کے چہرے پر بے شمار خراشیں معلوم ہو رہی تھیں جن میں خون جم جم کر سیاہی اختیار کر چکا تھا۔ ہونٹ زخمی تھے۔ پیشانی کے ورم نے آنکھوں کو قریب قریب ڈھک لیا تھا۔ آنکھیں انگاروں کی طرح سُرخ تھیں۔ فریدی نے انہیں اپنی زبان دکھائی جو معمول سے زیادہ موٹی نظر آ رہی تھی۔

”میری زبان بھی زخمی ہے۔“ فریدی مُسکرا کر بولا۔ ”ظاہر ہے ایسی صورت میں ڈان ونسنٹ مُجھ سے میری صحیح لہجے اور آواز کی توقّع نہ رکھے گا۔“

”تُم ایک خطرناک کام کرنے جارہے ہو۔“ ڈیگاریکا پُر تشویش لہجے میں بولا۔

”تو میں مکھّیاں کب مار تا رہا ہوں۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”خیر۔۔۔۔ تُم لوگ آرام کرو۔“

”میں بھی چلتا ہوں۔“ حمید نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

”بڑے بہادر نظر آرہے ہو۔جی نہیں تشریف رکھئے۔“ فریدی نے کہا اور اونچی نیچی چٹاّنیں پھلانگتا دوسری طرف اُتر گیا۔ ڈان ونسنٹ کے کیمپ میں روشنی ہو رہی تھی۔

چلتے چلتے دفعتاً فریدی نے ایک چیخ ماری اور لڑکھڑا کر گر پڑا اور اس نے محسوس کیا کہ کُچھ آدمی اس کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ کئی ٹارچوں کی روشنیاں اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔

”ارے یہ تو الفریڈو ہے۔“کسی نے کہا۔”چلو جلدی سے اٹھاؤ۔۔۔۔ لیکن احتیاط سے کسی قدر زخمی ہو گیا ہے۔“

دو تین آدمی فریدی پر جھک پڑے۔ لیکن انہوں نے ابھی ہاتھ لگائے تھے کہ فریدی اُچھل پڑا۔ دوسرے لمحے میں وہ ایک اُبھرتی ہوئی چٹّان کی اوٹ میں تھا۔

”خبر دار۔۔۔۔!“ وہ ریوالور نکال کر بولا۔ ”پیچھے ہٹو ورنہ سب کو ختم کر دوں گا۔“

”الفریڈو اس کی ضرورت نہیں۔“کسی نے دوسری طرف سے کہا۔

”ڈان ونسنٹ۔۔۔۔!“ فریدی تحیّر آمیز لہجے میں بولا۔ ”شکر ہے تیرا۔ شکر ہے اے خُدا۔“

اور پھر وہ چٹّان کی اوٹ سے نکل آئے۔ڈان ونسنٹ اسے سہارا دے کر کیمپ کی طرف لے جانے لگا۔

رشیدہ کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور وہ سر جھکائے ہوئے بیٹھی

تھی۔ ڈان ونسنٹ نے فریدی کو ایک چٹّان کے سہارے بٹھا دیا۔

"میں بیرونی جنگل تک ان کے پیچھے لگا آیا تھا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"لیکن مُجھے حیرت ہے کہ وہ اندر کیسے داخل ہوئے۔" ڈان ونسنٹ نے کہا۔
"انہیں دیکھ کر میں نے رسّیوں کا پُل بھی کاٹ دیا تھا۔"

"انہوں نے بانسوں کے جنگل میں ایک دوسرا راستہ دریافت کر لیا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "اُسی راستہ سے میں داخل ہوا ہوں۔ وہ آگے نکل گئے اور میں ایک مُصیبت میں پھنس گیا۔ ایک بن مانس نے میرا پیچھا کرنا شروع کر دیا تھا۔ پھر مُجھے کُچھ اچھّی طرح یاد نہیں کہ میں اس دراڑ میں کیسے جا پڑا۔"

"دراڑ میں۔" جان ونسنٹ حیرت سے بولا۔ "لیکن پھر تُم اس میں سے نکلے کس طرح۔"

"یہی تو بتانے جا رہا ہوں۔" فریدی نے اپنی پھولی ہوئی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر سِسکی لیتے ہوئے کہا۔ "میں دیوانہ وار دراڑ میں دوڑ رہا تھا اور یہ بھی اتّفاق ہی تھا کہ وہاں

جانکلا جہاں رسّیوں کا پُل تھا۔ مگر میں نے کیا دیکھا؟" فریدی نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

"کیا دیکھا۔۔۔؟" ڈان ونسنٹ کے لہجے میں اضطراب تھا۔

"پُل والا بڑا درخت دراڑ کے آر پار پڑا تھا اور اس کی رسّی دراڑ میں لٹک رہی تھی۔"

ڈان ونسنٹ پہلے تو کُچھ نہ سمجھا لیکن پھر دفعتاً اُچھل پڑا۔ فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر بولتا رہا۔ "وہ چیز میرے لیے تائید غیبی تھی۔ میں کسی نہ کسی طرح چڑھتا اور پھسلتا ہوا رسّی تک پہنچ گیا۔ اب مُجھے اس وقت اچھّی طرح یاد نہیں کہ میں رسّی کے سہارے کس طرح اوپر پہنچا۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ اسی درخت کے سہارے دراڑ کے اس پار آ گئے ہیں۔" ڈان ونسنٹ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ تھوڑی دیر کُچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "تُم نے مُجھے وائرلیس کے ذریعہ اِطّلاع دی تھی کہ تمہیں اولیاری کا بھُوت

دکھائی دیا تھا۔"

"یہ اُن کی ایک خطرناک حرکت تھی۔" فریدی نے کراہ کر کہا۔ "وہ رومولی کا ساتھی انور تھا۔ انہوں نے اس پر اولیاری کا میک اپ کر دیا تھا۔"

"انور۔۔۔!" رشیدہ بے اختیار چیخی اور پھر ہنس پڑی۔

"خاموش رہو۔" ڈان ونسنٹ نے اسے ڈانٹا۔

"اس کے ساتھ دو آدمی اور ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"البرانو اور اس کا ساتھی؟" ڈان ونسنٹ نے پوچھا۔

"ہاں! لیکن جانتے ہو البرانو کون ہے؟"

"نہیں۔"

"بین الاقوامی شہرت کا مالک انسپکٹر فریدی جس نے مصر میں ولمین کی مشینی آندھی کا پتہ لگایا تھا۔"

"غدّار۔۔۔ ڈیگاریکا۔" ڈان ونسنٹ مُٹھّیاں بھینچ کر بولا۔ "لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"اُس کے پاسپورٹ سے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن تمہیں اس کی اِطّلاع نہ دے سکا کیونکہ انہوں نے میری نگرانی شروع کر دی تھی۔"

رشیدہ نے پھر قہقہہ لگایا اور چیخ کر بولی۔ "اگر واقعی ان کے ساتھ فریدی بھی ہے تو یہ سمجھ لو کہ تمہاری موت تمہارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔"

"خاموش رہو۔" ڈان ونسنٹ اسے مُکّا دکھا کر چیخا۔

"میں بہت تھک گیا ہوں۔" فریدی مُضمحل آواز میں بولا۔ "مُجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں صُبح تک زندہ نہ رہ سکوں گا۔"

"آگ بُجھا دو۔۔۔!" ڈان ونسنٹ نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "ساری روشنیاں گُل کر دو۔"

تھوڑی دیر بعد وہاں اندھیرا اپھیل گیا۔

”ڈان ونسنٹ میں تھک گیا ہوں۔ مُجھے برانڈی چاہیے۔“ فریدی نے کہا۔

”برانڈی۔۔۔۔ ہمارے پاس صرف دو بوتلیں رہ گئی ہیں۔ زیادہ پینے کی کوشش نہ کرنا ہم سب تھکے ہوئے ہیں۔“

ڈان ونسنٹ نے اس کے ہاتھ میں ایک بوتل تھما دی۔ فریدی نے تھوڑی سی برانڈی اندھیرے میں ِگرا دی پھر اس کی جیب سے ایک پڑیا نکلی دوسرے لمحے میں پڑیا کا سارا سفوف بوتل میں تھا۔

”شکریہ۔۔۔۔!“ فریدی ایسے انداز میں بولا جیسے وہ ابھی تک سانسیں روکے ہوئے بوتل میں مُنہ لگائے رہا ہو اور پھر اُس نے ٹٹول کر بوتل ونسنٹ کو واپس کر دی۔ بوتل ڈان ونسنٹ اور اُس کے ساتھیوں میں گردش کرتی رہی۔ فریدی چھیڑ چھیڑ کر اُن سے گفتگو کرنے لگا۔ تھوڑی دیر تک وہ بولتے رہے پھر ان کی آوازیں آنی بند ہو گئیں۔ فریدی نے دو تین بار ڈان ونسنٹ کو زور زور سے پکارا لیکن جواب ندارد پھر وہ آہستہ آہستہ ٹٹولتا ہوا رشیدہ کی طرف بڑھنے لگا۔ رشیدہ

چونک پڑی۔

"یہ کیا حرکت؟" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"چُپ چُپ۔۔۔۔ میں ہوں فریدی۔"

"اوہ۔۔۔!" رشیدہ قریب قریب چیخ پڑی۔

"بے وقوف لڑکی خاموش رہو۔" فریدی نے کہا اور اس کے ہاتھ پیر کھولنے لگا

تھوڑی دیر بعد وہ چٹّانوں سے گزر رہے تھے۔

"ڈیگاریکا اور اس کی لڑکی کو میری اصلیت نہ معلوم ہونے پائے۔" فریدی نے کہا۔ "وہ مُجھے صرف البرانو سمجھتے ہیں۔"

ڈیگاریکا وغیرہ رشیدہ کو دیکھ کر اُچھل پڑے۔ رشیدہ انور کے شانے سے لگی ہوئی بُری طرح رو رہی تھی۔

"تُم بھی کبھی اس طرح روئی ہو؟" حمید نے آہستہ سے رمونا سے پوچھا۔

”میں کیوں روتی؟“

”البرانو میں کس طرح تمہارا شکریہ ادا کروں؟“ ڈیگاریکا بولا۔

”بعد کی باتیں ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”صُبح ہمیں ڈان ونسنٹ سے سمجھنا ہے۔“

”کیوں نہ انہیں اس وقت ٹھکانے لگا دیا جائے؟“ رمونا نے کہا۔

”یہ میرے اصول کے خلاف ہے۔ میں نیند یا بیہوشی میں کسی کو مارنے کا قائل نہیں۔“

”اور اگر وہ رات ہی کو نکل گئے تو؟“ ڈیگاریکا نے کہا۔

”صُبح سے پہلے ان کی آنکھ کھلنی محال ہے۔“ فریدی نے کہا اور سِگار سلگانے لگا۔

”لیکن ہمیں ہوشیار رہنا چاہیے۔ رات میں باری باری سے ہم پہرہ دیتے رہیں گے۔“ ڈیگاریکا نے کہا۔

رات کی تاریکی بڑھتی جارہی تھی۔ سب لوگ سو گئے۔ سوتے میں اچانک فریدی

کی آنکھ کھل گئی۔ حمید رمونا اور انور کے بیچ میں رشیدہ سو رہی تھی۔ لیکن ڈیگاریکا کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ فریدی کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ تیزی سے چٹّانوں پر چڑھنے لگا۔ چاروں طرف سنّاٹا تھا۔ یکایک اسے ایک چیخ سُنائی دی۔ فریدی کے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ وہ آواز کی طرف جھپٹا پھر دوسری چیخ سُنائی دی پھر تیسری اور ایک بار پھر سنّاٹا چھا گیا۔ وہ جگہ جہاں اس نے ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھیوں کو چھوڑا تھا دکھائی دے رہی تھی۔

"وہ حماقت کر ہی بیٹھا۔" فریدی بڑبڑایا۔ سامنے کا منظر دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھیوں نے ڈیگاریکا کو جکڑ رکھا تھا۔

ڈان ونسنٹ پوری قوّت سے اس کا گلا دبا رہا تھا۔ فریدی نے رائفل چھتیائی "دھائیں" چٹّانیں گونج اُٹھیں۔ فریدی نے پھر دوسرا فائر کیا اور بھاگا۔ آدمیوں کے بھاگنے کی آوازیں اسے سُنائی دیں۔ فریدی اس جگہ پہنچ گیا تھا جہاں ڈیگاریکا وہ دو لاشوں کے بیچ میں پڑا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ فریدی نے آہستہ سے اسے جنبش دی۔

”البرانو۔۔۔۔!“ ڈیگاریکا چلّایا۔ ”کیا وہ لوگ بھاگ گئے؟“

”ہاں یہ کیا پاگل پن تھا؟ میرے منع کرنے کے باوجود بھی تُم چلے آئے۔“

”مگر یہ بہت بُرا ہوا۔۔۔۔ وہ لوگ بچ کر نکل گئے۔ اب ہماری جان کی خیر نہیں۔“

”کوئی پرواہ نہیں۔“ فریدی نے اسے اُٹھایا۔ ”تمہیں چوٹ تو نہیں آئی؟“

”نہیں البرانو۔۔۔۔۔ مُجھے اولیاری کے انتقام نے اندھا کر دیا تھا۔ جب تُم لوگ سوگئے تو میں اٹھا یہ سب بیہوش پڑے تھے۔ میں نے ایک کے سینے میں خنجر اتار دیا۔ اس کی چیخ سے دوسروں کی آنکھ کھل گئی۔ جب تک وہ ہوشیار ہوں میں دوسرے کو بھی ختم کر چکا تھا کہ اچانک ان لوگوں نے مُجھے پکڑ لیا۔ میں بے قابو ہو گیا مگر تعجّب ہے البرانو ان میں کسی کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہ تھا۔“

فریدی اور ڈیگاریکا جب پُہنچے تو انور اور حمید جاگ چکے تھے۔ رمونا کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ ڈیگاریکا کو دیکھ کر وہ اُچھل پڑی۔

”البرانو تُم بہت اچھّے ہو۔“ وہ تشکّر آمیز لہجے میں بولی۔

”میرے متعلّق کیا خیال ہے؟“ حمید نے دخل دیا۔

رمونا نے اسے گھور کر دیکھا۔ حمید نے خاموشی سے گردن جھُکالی۔

سب لوگ تیّاری میں مصروف ہو گئے اور سورج نکلتے نکلتے یہ چھوٹا سا قافلہ سنگلاخ چٹّانوں کو عبور کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

متواتر دو دِن تک سفر جاری رہا۔ اس دوران میں کوئی قابل ذکر حادثہ پیش نہیں آیا۔ آہستہ آہستہ جنگلوں اور پہاڑوں کے آثار ختم ہوتے جارہے تھے۔ ڈیگاریکا کی تجویز پر ایک جگہ رُک کر فریدی، حمید اور انور نے اپنی شکلیں تبدیل کرلیں۔ انور ڈیگاریکا کے لڑکے اولیاری کی شکل میں تھا۔ فریدی اور حمید نے ڈیگاریکا کی دی ہوئی دو تصاویر کے مطابق میک اپ کیا تھا۔ ڈیگاریکا نے انہیں بتایا کہ شہر میں داخلے کے وقت باہر سے آنے والوں کے متعلّق کافی چھان بین کی جاتی ہے۔

”مُجھے خوف ہے کہ کہیں ڈان ونسنٹ نے شاہی محکمہ سُراغ رسانی کو اپنی آمد سے

مطلع نہ کر دیا ہو۔" ڈیگاریکا نے کہا۔

"کس طرح۔۔۔؟" فریدی نے پوچھا۔

"وائرلیس کے ذریعہ۔"

"وائرلیس۔۔۔!"

"ہاں۔۔۔ تُم کیا سمجھتے ہو؟ ہم لوگ کافی ترقّی یافتہ ہیں۔ اس معاملے میں کسی یورپین ملک سے پیچھے نہیں۔"

"خبر کہاں سے بھیجی ہو گی؟" فریدی نے پوچھا۔

"میکسیکو کی بندر گاہ ویرا کروز سے۔"

"لیکن کیا یہ چیز خطرناک نہیں؟" فریدی کُچھ سوچتا ہوا بولا۔

"تمہارے پیغام دوسرے بھی سُن سکتے ہیں۔"

"یہی تو خاص بات ہے۔" ڈیگاریکا نے مُسکرا کر کہا۔ "ہمارے ٹرانسمیٹر سب سے

الگ تھلگ ہیں۔ ہمارے ٹرانسمیٹر پر نشر کیے ہوئے پیغامات صرف ہماری ہی ریسیونگ مشینوں پر سُنے جاسکتے ہیں۔"

"تو پھر اب کیا کہتے ہو؟" فریدی اُکتا کر بولا۔

"ہم ایک خُفیہ راستے سے شہر میں داخل ہوں گے۔" ڈیگاریکا نے کہا "اور ایسی صورت میں انور کے لیے اولیاری کا میک اپ مخدوش ہے۔ خود مُجھے اور رمونا کو بھی اپنے حلیے تبدیل کرنے پڑیں گے۔"

دوسری اسکیم کے مطابق انہوں نے احتیاطی تدابیر کرنے کے بعد راستہ بدل دیا۔ اس طرح انہیں چھتیس گھنٹے تک اور سفر جاری رکھنا پڑا اور جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو فریدی وغیرہ کی آنکھیں کھُل گئیں۔ چاروں طرف بڑی عالیشان عمارتوں کا جال سا بکھرا ہوا تھا۔ لیکن انہیں یہ ایک عجیب بات دکھائی دی کہ ساری عمارتیں سبز رنگ سے رنگی ہوئی تھیں اور عمارتوں کی چھتوں پر پودے اور جھاڑیاں نظر آرہی تھیں۔ انہیں کوئی ایسی عمارت نظر نہ آئی جس کی چھت پر

چھوٹے چھوٹے درخت نہ دکھائی دیتے رہے ہوں۔ ڈیگاریکا حمید اور انور کی حیرت پر ہنسا۔

"میں سمجھتا ہوں۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "اس جزیرے پر پرواز کرنے والے غیر ملکی ہوائی جہاز سے محفوظ رہنے کے لیے تُم لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے؟"

"لیکن بعض بدقسمت ہوائی جہاز۔" ڈیگاریکا نے ہنس کر کہا۔ "جن کی پرواز نیچی ہوتی ہے مار کر گرا لیے جاتے ہیں۔ تُم نے اکثر اپنی طرف کے اخبارات میں اس قسم کی خبریں پڑھی ہوں گی کہ فلاں طیارہ بحرِ اٹلانٹک اور بحرِ کریبین کے درمیان پرواز کرتا ہوا پُر اسرار طور پر غائب ہو گیا۔ وہ پُر اسرار طریقہ ہماری طیارہ شکن بندوقوں کا رہین منت ہے۔"

"بہت خوب۔۔۔!" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "میرا دِل چاہتا ہے کہ بقیہ زندگی اسی پُر اسرار جزیرے میں گزار دوں۔"

”سچ۔۔۔۔!“ رموناپر مسرّت لہجے میں چیخی۔

”قطعی۔۔۔۔!“ فریدی سنجیدگی سے بولا اور حمید کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

”اگر ایساہو سکے تو ہم اسے اپنی خوش نصیبی سمجھیں گے۔“ ڈیگاریکانے کہا۔

”لیکن تُم نے تو کہا تھا کہ غیر ملکی یہاں رہ سکتے ہی نہیں؟ آخر کب تک اس حالت میں رہوں گا؟“ فریدی نے پوچھا۔ڈیگاریکا گڑبڑا گیا۔

”البرانو ہمارے یہاں اگر فاگان اور مقدّس باپ مل کر کوئی حکم دے دیں تو اسے سب مان ہی لیتے ہیں۔“ ڈیگاریکانے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

صُبح کے ہلکے پھلکے پھیلتے ہوئے دُھندلکے میں وہ شہر کے غیر آباد حصّے سے گزرتے رہے۔ڈیگاریکا کی اسکیم کے مطابق ان لوگوں کو سب سے پہلے مقدّس باپ کے حضور میں حاضر ہونا تھا۔

صُبح ہو چکی تھی اور شہر سے باہر نکل کر ایک چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں یہ

قافلہ پہنچ چکا تھا۔ پہاڑی کے نشیب میں چٹّانوں سے ڈھکا ہوا ایک قلعہ دکھائی دے رہا تھا لال لال فیتے لگائے ہوئے۔ سپاہیوں کی دورویہّ قطار پہرہ پر تھی۔

اس قافلہ کو آتے دیکھ کر انہوں نے اپنی رائفلیں اٹھائیں۔ ڈیگاریکا نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔ فریدی اور انور وغیرہ نے اس کی تقلید کی۔ سپاہیوں کے پاس پہنچتے ہی رشیدہ نے بایاں بازو کھولا اور سپاہیوں کے بیچ میں کھڑی ہو گئی۔ مُکّا تان کر اس نے اپنا بازو لہرایا۔

"سینورا۔۔۔!" ایک ان میں سے حیرت سے چیخا اور سب رشیدہ کے گرد آکر کھڑے ہو گئے۔ اس کے بازو پر پڑا ہوا نشان صاف دکھائی دے رہا تھا۔

"فاگانیہ زندہ باد۔۔۔!"

"سینورا رومولی زندہ باد۔"

سپاہیوں نے نعرے لگائے اور اپنی سنگینیں جھُکا دیں۔

مقدّس باپ نعروں کی آواز سُن کر باہر نکل آئے تھے۔ فریدی نے دیکھا ایک لمبا

تڑنگا بُڈّھا آدمی ان کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کی خوبصورت سفید داڑھی اور آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک نے فریدی کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ آدمی ہوشیار ہے۔

ڈیگاریکا اسے دیکھ کر جھکا۔ احتراماً اس نے مقدّس باپ کی عبا کو بوسہ دیا اور کھڑا ہو گیا۔ رشیدہ کو دیکھ کر اس نے تعظیماً سر ہلایا اور اس کی پیٹھ پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

اچانک نقّاروں کی آواز سُنائی دی۔ فریدی چونک پڑا۔ ڈیگاریکا کے چہرے پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں۔ نقّاروں کی آواز تیز ہوتی گئی۔ مقدّس باپ نے مُڑ کر ڈیگاریکا کی طرف دیکھا۔

"فاگان۔۔۔۔ مگر وہ کس سے لڑے گا۔"

دیکھتے دیکھتے سامنے کا میدان گرد و غُبار سے اَٹ گیا۔ مقدّس باپ نے اشارہ کیا اور ایک سپاہی نے پاس پڑے ہوئے نقّارہ کو زور زور سے پیٹنا شروع کر دیا اور

تھوڑی ہی دیر میں مسلح سپاہیوں کی قطار نکلنے لگی۔

سامنے کا غُبار چھٹ گیا تھا۔ اڑتے ہوئے سبز پھریرے، نقّارے بجاتے ہوئے فوج آ رہی تھی۔ ان کی سنگینوں کی انیاں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔ آگے آگے ایک شخص ننگی تلوار لیے ہوئے تھا جس سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ غالباً یہ اعلانِ جنگ تھا۔ سپاہیوں کے بیچ میں ایک شخص کے سر پر چاندی کا چھتر لگا ہوا تھا۔ غالباً یہ فاگان تھا اور اسی کے ساتھ ایک شخص اور تھا۔ دور سے فریدی نے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بلا کی سفّاکی جھلک رہی تھی۔ فریدی نے ایک نظر میں پہچان لیا۔ یہ شخص ڈان ونسنٹ کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔

خوفناک جنگ

فوج سامنے آکر رُک گئی۔ مقدّس باپ وہیں سے چلّایا۔

”ٹھہرو!“

لمبے لمبے قدم بڑھاتا ہوا صفوں کے بیچ سے گزر کر وہ فاگان کے سامنے پہنچا۔

فریدی نے حیرت سے دیکھا کہ فاگان کے سپاہی بھی اسے دیکھ کر تعظیماً جھک گئے۔

”کیا چاہتے ہو؟“

”آپ کے پاس جو آدمی آئے ہیں یہ سب غدّار اور بدیسی ہیں۔“

فاگان کے ساتھی ایک ساتھ چلائے۔

”یاناتا کی چوٹی پر ڈیگاریکا کو پھانسی دو۔“

مجمع جیسے ہی خاموش ہوا مقدّس باپ نے کہا۔

”ان میں سے کوئی بدیسی نہیں۔ یہ لوگ سینورارومولی کے ساتھ آئے ہیں۔ سینورارومولی جو فاگانیہ ہے۔ مگر تمہیں یقین نہیں ہے تو اس کا نشان دیکھ لو۔“ مقدّس باپ کی آواز گونجی۔ انہوں نے رشیدہ کی طرف اشارہ کیا۔ رشیدہ نے جلدی سے کپڑے ہٹانے شروع کئے۔ مقدّس باپ وہاں سے مُڑا اور رشیدہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے چلا۔ ابھی وہ اپنی فوجوں ہی کے درمیان تھا۔

”دھائیں۔۔۔۔!“ ایک گولی سرسراتی ہوئی رشیدہ کے کان کے پاس سے نکل گئی اور جب تک دوسرا فائر ہوا، فریدی نے فائر کیا اور ڈان ونسنٹ کا پستول زمین پر تھا دوسری طرف سے لگاتار فائر شروع ہو گئے۔ مقدّس باپ نے رشیدہ کی طرف

دیکھا۔ دونوں نے اشارہ کیا اور ادھر کے سپاہیوں نے بھی جوابی حملہ شروع کیا۔

دوپہر ہو چُکی تھی۔ لڑائی بڑے زور شور سے جاری تھی۔ ڈان ونسنٹ اور فاگان کے ساتھی تعداد میں زیادہ تھے مگر ادھر لوگ بھی بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے۔ ڈیگاریکا نے حمید، فریدی، رشیدہ اور انور کو ایک محفوظ مقام پر پہنچا دیا تھا۔

لڑائی کا منظر بھیانک ہوتا جارہا تھا۔ زمین خون سے رنگ گئی تھی۔ فریدی ڈیگاریکا کے جانے کے بعد وہاں سے نکلا۔ قلعہ کی ایک چھوٹی سی فصیل پر بیٹھ کر اس نے جنگ کی حالت دیکھنی شروع کی۔

دونوں فوجیں ایک دوسرے میں غٹ پٹ ہو گئی تھیں۔ تعداد میں کم ہونے کی بناء پر وہ محسوس کر رہا تھا کہ اب پادری کے ساتھی پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ اسے اپنی پشت پر کسی کا ہاتھ محسوس ہوا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔

"البرانو! ہم لڑائی ہار گئے۔" ڈیگاریکا کے لہجے میں اداسی تھی۔

"مگر یہ ایک دم لڑائی کیسے چھڑ گئی؟"

”مقدّس باپ اور فاگان میں بہت دنوں سے اَن بَن تھی اور دونوں اپنی طرف سے لڑائی میں مصروف تھے۔ ذرا سے موقع کی دیر تھی سو وہ ہاتھ آ گیا۔“

فریدی خاموشی سے سُنتا رہا۔ اس کی نظریں سامنے والے میدان پر تھیں۔ سورج ڈوب رہا تھا اور شام کی پھیلتی سرمگیں دُھندلاہٹوں میں اس کے ساتھی بھاگ رہے تھے۔ ڈان ونسنٹ اور فاگان کے ساتھی فصیل کے نیچے تک پہنچ گئے تھے۔ غُبار سے اَٹے ہوئے میدان میں ہزار ہا لاشیں دکھائی دے رہی تھیں۔ فریدی کانپ اٹھا۔ اتنا انسانی خون بلاوجہ بہایا گیا؟

”اب کیا ہو گا۔۔۔ البرانو! اب کیا ہو گا؟“ ڈیگاریکا کے لہجے میں بدحواسی تھی۔

”تُم اس کے ذمّہ دار ہو۔۔۔ تُم۔۔۔!“ وہ اچانک فریدی کے اوپر چلّانے لگا۔

”نہ تُم ڈان ونسنٹ کو چھوڑتے اور نہ آج ہم کو یہ دِن دیکھنا پڑتا۔“ وہ رو پڑا۔

”حوصلہ رکھو ڈیگاریکا۔“ فریدی نے اسے اٹھایا۔

دونوں اپنے کمرے کی طرف لوٹ آئے۔

قلعہ بند کروا دیا گیا۔ چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا گیا تھا۔

فریدی تھوڑی دیر تک تو حمید وغیرہ سے باتیں کرتا رہا پھر چُپکے سے نکل گیا۔ حمید وغیرہ پہلے تو کُچھ نہ سمجھے لیکن جب فریدی کی واپسی میں دیر ہوئی تو ان کی تشویش بڑھ گئی۔

"آخر کہاں چلے گئے؟" رشیدہ بولی۔

"اب یہ سب کُچھ مت پوچھو۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "آخر انہیں تمہاری تاج پوشی کا بھی تو انتظام کرنا ہے۔"

"ملکۂ عالم۔۔!" انور سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "یہ نالائق ٹھیک کہتا ہے۔"

"اے انور میں چانٹا مار دوں گی۔" رشیدہ جھلّا کر بولی۔

"ضرور ضرور۔۔۔۔ حضور عالی۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ بد تمیز اسی لائق ہے۔"

”حمید صاحب مہربانی کر کے۔۔۔۔“ رشیدہ کُچھ کہتے کہتے رُک گئی۔

”اجی ہم صاحب واحب کہاں؟ ہم تو خاصے گدھے ہیں۔“ حمید مُنہ بنا کر بولا۔
”فریدی صاحب کے ابدو گھوڑے صاحب ہیں۔“

وہ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر جھنجھلا کر کہنے لگا۔ ”فریدی صاحب کو تو خیر قتل ہونا ہی ہے۔ آج نہ ہوئے تو خیر کل ہی ہو جائیں گے۔۔۔۔ ارے میں۔۔۔۔ ارے میری کم بختی کیوں آتی رہتی ہے بھئی۔ ارے کوئی بتانا بھئی۔۔۔۔ ارے! ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا کوئی آواز دینا میری طرف سے ارے بھائی کوئی ہے؟“

حمید اُچھل اُچھل کر اوّل فول بک رہا تھا۔ جیسے اچانک دماغ خراب ہو گیا ہے۔

”ابھی تک تو کُچھ نہیں ہوا تھا۔“ انور اس کا گریبان پکڑ کر بولا۔ ”مگر اب شاید تمہاری شامت آ ہی گئی ہے۔“

”بس بس بکواس مت کرو۔“ حمید نے بگڑ کر کہا۔ ”سب کُچھ تُم دونوں کی بدولت ہوا۔ ارے غضب خُدا کا کہاں یہ منحوس جزیرہ اور کہاں میں۔ ارے کم بخت اتنا

تو سوچو کہ ابھی تک میری شادی نہیں ہوئی۔ اگر میں یہاں مارا گیا تو میرا بُوڑھا باپ گھُل گھُل کر جوان ہو جائے گا۔ آج مُجھے شہناز کی یاد بری طرح ستا رہی ہے۔ مگر نہیں توبہ لاحول ولا قوۃ۔۔۔ آج کل کی لڑکیاں قابلِ اعتماد نہیں۔ اگر وہ بھی کسی جزیرے کی شہزادی نکل پڑی تو اپنا تو۔۔۔!"

حمید تیزی سے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

رشیدہ ہنسی کے مارے دوہری ہوئی جا رہی تھی۔

"اب چُپ بھی رہو۔ یہاں جان پر بنی ہے اور تمہیں یہ لغویت سوجھ رہی ہے۔" انور اُکتا کر بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔" رشیدہ ہنسی روکتے ہوئے بولی۔ "آخر فریدی صاحب کی اتنے غیر سنجیدہ آدمی سے کیسے نبھتی ہے۔"

"تُم اسے غیر سنجیدہ سمجھتی ہو؟" انور نے کہا۔ "ارے باپ رے باپ۔۔۔ اتنا بھیانک آدمی میری نظر سے گذرا ہی نہیں۔ یہ ہنسی ہنسی میں وہ سب کُچھ کر گزرتا

ہے جو بڑے بڑے سنجیدہ ہو کر بھی نہیں کر سکتے۔ یہ کم بخت بے وقوف بن کر بے وقوف بناتا ہے۔"

"ہے آدمی پُر مذاق، مگر حضرت گئے کہاں؟" رشیدہ اُٹھتے ہوئے بولی۔

آدھی رات سے زائد گزر چکی تھی۔ دِن بھر کی دھائیں دھائیں کے بعد اس وقت فضا پُر سکون تھی جیسے طوفان آ کر تھم گیا ہو۔ فریدی کا اب تک کہیں پتہ نہیں تھا۔ رشیدہ دروازے کے قریب جا کر رُک گئی۔ سامنے ہی ڈیگاریکا کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔

"البرانو کہاں ہے؟"

"ابھی تک نہیں آیا۔"

"اچھّا میرے ساتھ آؤ۔۔۔۔ تمہیں مقدّس باپ یاد کر رہے ہیں۔"

رشیدہ ڈیگاریکا کے ہمراہ اس کے کمرے کی طرف چل پڑی۔

ایک بڑے سے ہال میں پادری تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ اُونچے اونچے لمبے فانوس میں کافوری شمعیں جل رہی تھیں۔ صلیب کا ایک بڑا سا نشان کمرے کے اندر ماں مریم کی تصویر کے اوپر بنا ہوا تھا۔ پادری کافی متفکّر نظر آ رہا تھا۔

"سینورا رومولی۔۔۔۔ مُجھے اپنی جان کا ڈر نہیں مگر یہ ہزاروں آدمی مُفت مارے جائیں گے۔" اس نے اداس لہجے میں کہا۔

رشیدہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"میرے پاس ڈان ونسنٹ کا آدمی خط لے کر آیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ فاگان میری ساری شرطیں ماننے کو تیّار ہے صرف مُجھے ڈیگاریکا اور اس کے ساتھیوں کو تمہارے سمیت اس کے حوالے کر دینا ہو گا۔ میرے خیال میں تُم لوگ بھاگ جاؤ۔" مقدّس باپ کہتا رہا۔

رشیدہ کو یہاں کے تاج و تخت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ تو محض فریدی کی وجہ سے چلی آئی تھی۔ فریدی کیوں آیا تھا؟ وہ یہ نہیں جانتی تھی۔ مگر پھر بھی اسے

شُبہ تھا کہ کوئی ایسی وجہ ضرور ہے جس کی بناء پر فریدی سر مار رہا تھا۔

"مگر ہم اب جا بھی کیسے سکتے ہیں؟ راستہ چاروں طرف سے گھِرا ہوا ہے۔" رشیدہ کُچھ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"یہ میرا ذمّہ۔" پادری نے تالی بجائی۔ دو آدمی اندر داخل ہوئے۔

"سینورا کو قلعہ کے باہر لے جاؤ۔"

رشیدہ ابھی چند قدم آگے بڑھی تھی کہ دو آدمی ٹھٹکے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ جھکائے اور اُلٹے قدموں واپس چلے گئے۔ پادری کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔

"نمک حرام۔۔۔۔!" وہ چلّایا۔

"ڈیگاریکا۔۔۔۔!" وہ چیخا۔

جیسے ہی ڈیگاریکا اندر داخل ہوا وہ برس پڑا۔

"کُتّے۔۔۔۔ میں تُجھے جلا ڈالوں گا۔ تو میرے خلاف بھڑکاتا ہے۔ سینورا ضرور

واپس جائے گی اور تو بھی یہاں نہیں رہ سکتا۔ تُم سبھوں کو اندھا کر کے نکال دیا جائے گا۔ تا کہ تُم پھر یہاں نہ آسکو۔" وہ چلّا رہا تھا۔ ڈیگاریکا کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔

"رحم۔۔۔۔ مقدّس باپ۔" وہ بچّوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ "میں نے جو کُچھ کیا وہ آپ ہی کے اشارے پر کیا۔ مُجھے سزا مت دیجیے۔ آپ جو کُچھ کہیں گے وہی ہو گا۔"

"صُبح چار بجے تمہیں تانبے کی کان والے راستے سے باہر نکال دیا جائے گا۔"

"اوہ خُدا۔۔۔۔!" وہ چیخا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

رشیدہ کی قوتِ فکر جواب دے رہی تھی۔ وہ سیدھی انور کے پاس پہنچی۔ دروازے میں داخل ہوتے ہوئے اس نے دیکھا انور بے چینی سے ٹہل رہا ہے۔ رشیدہ کو دیکھتے ہی وہ چیخ اُٹھا۔

"دھوکہ رشو! بڑا زبردست دھوکا! اب ہم نہیں بچ سکتے۔ پادری روپیہ اور اقتدار کے لالچ میں آکر فاگان سے مل گیا۔ اب کوئی دم میں ہم لوگ مار ڈالے جائیں

گے۔"

چشمِ زدن میں رشیدہ کی سمجھ میں سب کُچھ آ گیا۔

پادری فاگان سے ساز باز کر رہا تھا مگر اپنے سپاہیوں کے ڈر کی وجہ سے کھلم کھلا اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے یہ کھیل کھیلا۔

"مگر تمہیں یہ کس نے بتایا؟" رشیدہ نے پوچھا۔

'رمونا نے۔"

"فریدی صاحب آئے؟"

"نہیں۔۔۔۔ کم بخت حمید کا بھی پتہ نہیں ہے۔"

"رشو ڈارلنگ۔۔۔۔" اور رشیدہ اس کا مُنہ دیکھنے لگی۔

"مرنے سے پہلے میں ایک بار۔۔۔۔ تُم سے کہہ دینا ہی چاہتا ہوں کہ۔۔۔۔ مُجھے تُم سے۔۔۔۔!"

”کہتے کیوں نہیں بیٹا کہ محبّت تھی اور اب اس وقت نہ کہو گے تو کب کہو گے؟“

پیچھے سے آواز آئی۔ رشیدہ اور انور دونوں نے چونک کر دیکھا۔ حمید کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ اس کا سارا چہرہ کیچڑ میں لت پت تھا کئی جگہ سے پھٹی ہوئی قمیص سے خون رِس رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ اداسی تھی۔ ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح وہ دھڑام سے کُرسی پر آ گرا انور نے پہلی بار حمید کو اتنا اداس دیکھا تھا۔

”یہ کیا ہوا۔۔۔؟“ دونوں نے بیک وقت پوچھا۔

”انور۔۔۔ غالباً میں نہیں کہہ سکتا۔۔۔ میں یقین ہی نہیں کر سکتا۔۔۔ مگر مگر۔۔۔!“

”ارے کہو گے بھی۔۔۔!“

”خُدانخواستہ فریدی صاحب شاید اب اس دُنیا میں نہیں ہیں۔“

”آئیں۔۔۔!“

”ہاں انہیں تانبے کی کان میں دھکیل دیا گیا اور اس قلعے کے نیچے ڈائنامیٹ لگا دیا گیا ہے۔

چار بج کر ۵۳ منٹ پر عمارت اُڑا دی جائے گی۔ یعنی اب سے صرف ایک گھنٹہ بعد۔۔۔ فریدی صاحب کو کان میں گرتے ہوئے ایک سپاہی نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور تُم جانتی ہو کہ کان آگ اور لاوے کی ایک بھٹی ہے۔“

”آہ۔۔۔!“ وہ نڈھال ہو کر ِگر پڑا۔

اچانک رات کا سنّاٹا دھائیں دھائیں کی ہیبت ناک آوازوں سے ٹوٹ گیا۔

ساری فضا چنگاریوں اور شعلوں سے سُرخ ہو گئی۔ آسمان میں سُرخ سرخ بڑے بڑے ٹکڑے روئی کے گالوں کی طرح اُڑانے لگے۔ زمین دہل اُٹھی اور چٹّانیں اس طرح ٹوٹ کر رہ گئیں جیسے شیشے کے ٹکڑے جھنجھنا جاتے ہیں۔ شور بڑھتا گیا۔ آسمان پر دیوتا ننگے ہو کر تانڈو ناچ رہے تھے اور رات کی دیوی کے جبڑوں سے خون بہہ نکلا تھا۔ زمین جل اُٹھی تھی۔ ماحول لرز کر رہ گیا تھا۔ ہیبت ناک،

مہیب اور بھیانک جزیرہ دھماکوں سے کانپ رہا تھا۔

فریدی کا قتل

فریدی جب باہر نکلا تو اچھّی خاصی رات ہو چکی تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ حالات نے اُسے بُری طرح شکنجہ میں کس لیا ہے۔ ابھی تک اس کا سابقہ آدمیوں سے پڑتا رہا تھا مگر یہاں تو ایک پوری حکومت سے لڑائی کا سوال تھا! محض اپنے اصول کی خاطر اس نے ڈان ونسنٹ کو زندہ چھوڑ دیا تھا ورنہ یہ ہنگامہ نہ ہوتا۔ فریدی کو اپنے اوپر جھلّاہٹ محسوس ہوئی۔ کاش وہ رشیدہ کو پاتے ہی واپس چلا جاتا۔ اس نے سوچا، مگر بار بار یہی خیال اس کے دِل میں چٹکیاں لیتا رہتا کہ آخر وہ کون سی چیز ہے جس کی بناء پر یہاں کے باشندے دوسری دُنیا سے بالکل علیحدہ رہنا

چاہتے ہیں؟ پھر اس پُر اسرار جزیرے کے بارے میں جاننے کا شوق اسے کھینچ لایا تھا۔ لیکن اتنے انسانوں کا خُون دیکھ کر وہ دہل اُٹھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ ہر ممکن قیمت پر آج ہی کی رات میں اس جنگ کا خاتمہ ہو جانا چاہیے۔

فصیل کے کنارے سپاہیوں کا زبردست پہرہ تھا۔ وہ بے مقصد اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ قلعہ کے چاروں طرف چکّر لگا کر دیوار پر چڑھ گیا۔ سامنے میدان میں سبز بتّیاں روشن تھیں اور فصیل کے نیچے ایک چھوٹی سی ندی آہستہ آہستہ بہہ رہی تھی۔ ذرا ہی سے فاصلے پر پہاڑوں کی بلند چوٹیاں نظر آ رہی تھیں۔ اس نے اپنے چاروں طرف نگاہ دوڑائی یہ حصّہ قدرے محفوظ سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ پہاڑی اور ندی سے گھرا ہونے کی بناء پر اس طرف حملہ کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔

ایک پُر اسرار سایہ اسے حرکت کرتا معلوم ہوا۔ وہ چونک پڑا۔ سایہ دھیرے دھیرے فصیل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جلد ہی اس نے اپنے کو ایک کنگرے کے آڑ میں چھپا لیا۔ سایہ اسی کے قریب آ کر رُک گیا۔ چاروں طرف دیکھنے کے بعد اس نے اپنی کمر سے رسّی کھولی اور فصیل کے نیچے لٹکا دیا اور پھر خود آہستہ آہستہ

اترنے لگا۔ فریدی بڑی غور سے اس کی نقل و حرکت دیکھ رہا تھا۔ پانی میں پہنچتے ہی اس نے اپنے قدم لٹکا دیئے اور دوسرے ہی لمحے میں وہ ایک چھلانگ میں ندی کے اس پار فاگان کی فوجوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ فریدی اسے دیکھتا رہا۔ جب اسے یہ اطمینان ہو گیا کہ وہ کافی آگے جا چکا ہے تو اس نے بھی فصیل سے اترنا شروع کیا۔ ندی میں آدھے فٹ پانی کے نیچے ایک بہت بڑی چٹّان تھی۔ فریدی نے اپنے قدم جما دیئے۔ ندی کافی گہری تھی اور پانی کا بہاؤ بہت تیز تھا۔ لیکن چوڑائی کم ہونے کی بناء پر اسے اس پار پہنچنے میں کوئی دقّت نہ ہوئی۔ چٹّانوں سے ٹکراتے ہوئے اندھیرے میں وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ وہ سایہ اس سے کافی دور نکل گیا تھا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر خیموں کی قطاروں کے گرد روشنی میں اور پہرے دار دکھائی دے رہے تھے۔ فریدی رُک گیا۔ آگے بڑھنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ وہ فوراً پیچھے کی طرف مُڑا۔ زمین پر بیٹھ کر اس نے حرکت شروع کی۔ اچانک اسے ٹھوکر لگی۔ اس نے ٹٹولا۔ فاگان کی فوج کے ایک سپاہی کی لاش تھی۔

لال وردی اور ہرے فیتے سے اس نے فوراً پہچان لیا۔ اپنا لباس اسے پہنا کر اس نے سپاہی کی وردی خود پہن لی اور اطمینان سے آگے بڑھا۔ پہرے دار چاروں طرف ٹہل رہے تھے۔ روشنی کی تیز شعاعیں چاروں طرف پڑ رہی تھیں۔ ان سے بچتا ہوا وہ ایک چھوٹے سے ٹیلے کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ باوجود پہاڑی علاقہ ہونے کے اسے یہ جگہ کافی گرم محسوس ہوئی۔ اسے ایسا معلوم ہونے لگا جیسے زمین کے نیچے کھولتے ہوئے پانی کا سمندر جوش مار رہا ہو۔ اس عجیب طریقے کی بھیانک سرسراہٹ سے تھوڑی دیر کے لیے فریدی جیسا بہادر انسان بھی سہم گیا۔ ٹیلے کی آڑ لیتے ہوئے وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس سے صرف چند گز کے فاصلے پر سپاہی رہ گئے تھے۔ خیمہ اسے صاف نظر آ رہا تھا۔ خیمہ کے اوپر ایک بڑا سا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ جس پر ایک ریچھ کی شکل بنی ہوئی تھی۔ اچانک خیمہ کا پردہ اٹھا اور ایک آدمی باہر نکلا۔ فریدی نے اسے فوراً پہچان لیا۔ یہ وہی آدمی تھا جسے اس نے قلعہ کی فصیل کی طرف حرکت کرتے دیکھا تھا۔ وہ تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا واپس قلعہ کی طرف جا رہا تھا۔ خیمہ کا پردہ پھر اٹھا تھا اس بار دو آدمی ایک ساتھ

باہر نکلے۔ فریدی چونک اٹھا۔ ان میں ایک ڈان ونسنٹ تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں کوئی چیز دبا رکھی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کے ساتھ بہت سے آدمی آ گئے۔ ان سب کا رُخ قلعہ کی طرف تھا۔ ٹیلے سے کُچھ دور آگے جب یہ لوگ نکل گئے تو فریدی بھی ان ہی کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ فصیل سے صرف تھوڑے ہی فاصلے پر وہ رُک گئے۔ فریدی اب ان کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔

"سوسمارا نے دِن ہی میں سب کام ختم کر لیا تھا۔" ڈان ونسنٹ نے کہا۔

"اس وقت وہ خبر دینے آیا تھا کہ قلعہ کے نیچے بارود بِچھا دی گئی ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ سوئچ یہیں پر لگا دیا جائے۔"

"نہیں۔۔۔۔ ٹھہرو شاید مقدّس باپ کو عقل آ جائے اور وہ ان سب کو ہمارے حوالے کر دے۔ پھر اس کا کیا فائدہ ہو گا؟" ڈان ونسنٹ نے کہا۔

"اس نے ہمیں کب تک وقت دیا ہے؟" پہلا آدمی بولا۔

"چار بج کر ۵۳ منٹ کا۔"

”تو ٹھیک تو ہے؟ چار بج کر پچپن منٹ پر سوئچ لگا دو۔ فاگان کو کوئی اعتراض نہ ہو گا۔“

پہلا آدمی پھر بولا۔ ”اس کا بورڈ میرے خیمے میں رہے گا۔ پادری کا آدمی وہیں آئے گا اور اس سے فیصلہ کرنے کے بعد میں سوئچ آن کر دوں گا۔“

سوئچ لگانے کے بعد وہیں پر ایک دستہ تعینات کر دیا گیا۔ فریدی نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ صرف دو گھنٹے کے اندر یا تو اس کے ساتھی مار ڈالے جائیں گے یا پھر انہیں فاگان کے حوالے کر دیا جائے گا اور یقیناً وہ کسی بھی صورت میں اسے زندہ نہ چھوڑے گا۔ فوراً وہ آگے بڑھا اور چٹّانوں کی آڑ میں قلعہ کی طرف پنجوں کے بل بھاگا۔ ایک ایک منٹ بڑا قیمتی تھا۔ تھوڑی دیر تک دوڑنے کے بعد وہ ٹھہر گیا۔ فاگان کی فوجوں کا پڑاؤ کافی دور رہ گیا تھا۔ دُھندلی دُھندلی سبز روشنی جھِلملا رہی تھی اور پادری کی فوجوں کا سُرخ نشان روشنی میں جھلک رہا تھا۔ یکایک فریدی کو کسی کی چاپ سُنائی دی۔ وہ فوراً بیٹھ گیا۔ پادری کی فوج کا ایک سپاہی غالباً گشت میں اِدھر آ رہا تھا۔ فریدی لپک کر اس کے پاس پہنچا۔ سپاہی نے فوراً رائفل اٹھائی۔

فریدی نے ایک جھٹکا دیا اور رائفل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گری پڑی وہ اسے گھور رہا تھا جیسے پہچان رہا ہو۔

"میرا نام۔۔۔۔ تُم نے مُجھے سینورا اور ڈیگاریکا کے ساتھ دیکھا ہو گا اور اگر نہ بھی دیکھا ہو تب بھی یقین کرو کہ میں دوست ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "سپاہی اسے بدستور دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے پھر کہا۔ "مُجھے اس طرح نہ دیکھو۔۔۔۔ تُم فوراً جاؤ اور ڈیگاریکا سے کہہ دو کہ پورے کا پورا قلعہ خطرے میں ہے۔ سوسمارا نے قلعہ کے نیچے سُرنگیں بِچھا دی ہیں اس لیے سُرنگیں صاف کرنا شروع کر دو۔ جلدی جاؤ اور ابھی حملہ کر دو۔ ڈیگاریکا سے کہہ دینا کہ یہ البرانو نے کہا تھا۔"

فریدی نے دھکّا دیتے ہوئے سپاہی سے کہا۔

"سینورا۔۔۔۔!" سپاہی چیخا اور تیزی سے قلعہ کی طرف بھاگا۔

فریدی پھر واپس مُڑا۔ خطرہ جوں کا توں سر پر تھا۔ وہ اچھّی طرح سمجھتا تھا کہ اتنے کم عرصے میں نہ تو سُرنگیں صاف کی جاسکتی ہیں اور نہ لوگ بھاگ سکتے ہیں۔ وہ پھر

اسی جگہ پر آگیا۔ سپاہیوں کا دستہ اسی طرح اپنی جگہ پر موجود تھا۔ ان سے لڑنا بھی بے سود تھا۔ اس لیے کہ بہر حال دو چار کو ختم کر دینے کے بعد بھی وہ قلعہ کو نہ بچا سکتا تھا۔ اس نے دھیرے دھیرے ڈان ونسنٹ کے خیمے کی طرف قدم بڑھائے۔ وہ خیمے کے بالکل پیچھے پہنچ چکا تھا۔ جیب سے چاقو نکال کر اس نے خیمہ کا پردہ پھاڑ دیا اور اندر داخل ہو گیا۔ خیمہ کے اندر کوئی نہیں تھا۔ ڈان ونسنٹ شاید کہیں باہر چلا گیا تھا۔ فریدی نے چاروں طرف سوئچ کا مین بورڈ تلاش کرنا شروع کیا۔ میز پر پڑے ہوئے ایک ڈبّے پر نظر پڑتے ہی فریدی کی آنکھیں خُوشی سے چمک اٹھیں۔ وہ بڑھا اتنے میں کسی نے زور سے دھکّا دیا اور وہ سنبھلتے سنبھلتے بھی لڑ کھڑا گیا۔

سامنے ڈان ونسنٹ کھڑا تھا۔ مدھم سبز روشنی میں بھی اس کا چہرہ خوفناک نظر آ رہا تھا۔

”کون ہو تُم۔۔۔؟“ پستول کا رُخ فریدی کی طرف کرتے ہوئے وہ گرجا۔

فریدی خاموش رہا۔

"کون ہو تُم بتاتے کیوں نہیں۔۔۔۔ کیا کرنے آئے تھے؟" فریدی کا ہاتھ پکڑ کر اس نے ہلایا۔

"اوہ۔۔۔۔ البرانو۔۔۔۔!" ڈان ونسنٹ ہاتھ دیکھتے ہی ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"تُم سمجھتے رہے ہو گے کہ میں اس وردی اور میک اپ کی وجہ سے نہ پہچان سکوں گا۔ میں یہاں کی خُفیہ پولیس کا افسر اعلیٰ ہوں اور تلوار کے مُقابلہ کے روز سے یہ ہاتھ مجُھے ہمیشہ سے یاد تھا۔ کیوں آئے تھا یہاں؟"

فریدی خاموش رہا۔

"اچھّالو! اب تُم مر جاؤ۔۔۔۔ شاباش۔۔۔۔ مگر دیکھو ہنستے ہوئے مرنا۔ مجُھے ایسے لوگوں سے سخت نفرت ہے جو مرتے وقت بھی گڑگڑانے لگیں۔" ڈان ونسنٹ نے تلخی سے کہا اور ٹریگر دبا دیا۔

فریدی زور سے اُچھلا اور چشمِ زدن میں وہ ڈان ونسنٹ کے اوپر تھا۔ اس کا پستول

گر چکا تھا۔ وہ پھر بورڈ کی طرف لپکا مگر فائر کی آواز سُن کر سپاہی خیمہ کے پیچھے حصّہ کی طرف سے داخل ہو چکے تھے۔ گولیاں چلنے لگیں تھیں۔ فریدی نے سامنے کے دروازے کی طرف رُخ کیا وردی سے اس نے کافی فائدہ اٹھایا اور دھکّا دیتے ہوئے وہ باہر نکل آیا۔

مگر چاروں طرف سے سیٹیاں بجنے لگی تھیں اور ڈان ونسنٹ اپنے سپاہیوں کے ہمراہ برابر پیچھے دوڑتا آ رہا تھا۔ فریدی نے اور تیز بھاگنا شروع کیا۔ دفعتاً اسے احساس ہوا جیسے زمین کے نیچے کوہِ آتش فشاں پھٹ پڑا ہو۔ اس کے تلوے جلنے لگے تھے۔ وہ رُک گیا۔ ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھی گولی چلاتے ہوئے آگے بڑھتے آ رہے تھے۔ سامنے ایک بہت بڑے غار کا دہانہ سا دکھائی دیا۔ ایک گولی سرسراتی ہوئی اس کے کندھے کو چھوتی ہوئی نکل گئی۔ فریدی نے جوابی فائر کیا اور غار کی طرف نظر ڈالی۔ گرمی اور تپش سے اس کا دم گھٹا جا رہا تھا۔ سامنے غار ایک بھٹی کی طرح سُرخ ہو رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس بھٹی کے اندر کُچھ پک رہا ہو۔ کھد بد کھد بد کی پُر شور آواز سارے ماحول پر حاوی تھی۔ عجیب طرح

کی بدبودار بھاپ نکل رہی تھی۔ فریدی کا سارا جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔ اب اس کے سامنے دو ہی راستے رہ گئے تھے اور دونوں میں موت یقینی دکھائی دے رہی تھی۔ یا تو غار میں کود پڑے اور یا ڈان ونسنٹ کے ہاتھوں کُتّے کی موت مارا جائے۔ اس نے پہلے کو دوسرے پر ترجیح دی اور غار میں چھلانگ لگا دی۔ قلعہ کی طرف سے اسے کسی کے گولی چلانے کی آواز سُنائی دی۔

اٹھتی ہوئی تیز گرم بھاپ سے ہی فریدی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہاں کوئی مکان ہے۔ جیالوجی سے دلچسپی رکھنے کی بناء پر اسے پورا علم تھا کہ کچی کان کس حد تک خطرناک ہوتی ہے۔ کودنے سے پہلے اس نے ایک بار غور سے غار کی گہرائی کو دیکھا تھا۔ گرتے ہی اندر پڑی ہوئی دراز کی ایک چٹّان پر اس نے اپنے پیر جما دیئے۔ تقریباً سو فٹ نیچے گہرائی میں سُرخ پانی کا بدبودار نالہ بہہ رہا تھا۔ اس کا کھولتا ہوا پانی اور نکلتے ہوئے سفید دھوئیں کی گرمی سے فریدی کو سانس لینا دوبھر ہو گیا۔

اندر کی لال انگارہ کی طرح سُرخ چٹّانیں پانی کے پڑتے ہوئے سائے اور اپنی

سُرخی کی وجہ سے زیادہ بھیانک معلوم ہو رہی تھیں۔ چٹّان پر کھڑے کھڑے
فریدی نے داہنی طرف زیادہ چوڑائی دیکھ کر کھِسکنا شروع کیا۔ اندھیرے میں
ٹٹولتے ہوئے وہ اسی کی طرف بڑھتا رہا۔ قدرت کا بنایا ہوا یہ راستہ بڑی دُور تک
اندر چلا گیا تھا۔ جب اندھیرا ناقابلِ برداشت ہو گیا تو ڈرتے ڈرتے اس نے ٹارچ
جلائی۔ دو فٹ چوڑے ایک سُرنگ نما راستے سے وہ گُزر رہا تھا۔ پانی کا شور اسے
اب بھی ویسا ہی سُنائی دے رہا تھا۔ البتّہ حدّت میں کُچھ کمی تھی۔ فریدی نے
چاروں طرف نظر دوڑائی اور آگے بڑھا۔ فوراً اسے اپنے اوپر ایک پتلا سا تار
دکھائی دیا۔ فریدی خُوشی سے اُچھل پڑا۔ اس نے فوراً تار کاٹ دیا۔ ڈائنامیٹ کے
میں سوئچ سے کٹ جانے کی وجہ سے اب بچھائی ہوئی سُرنگ کے پھٹ جانے کا
خطرہ دور ہو گیا تھا۔ اسی تار کی سمت فریدی بھی چل پڑا۔ ظاہر تھا کہ یہ راستہ قلعہ
کے اندر تک جاتا تھا۔ اِسی سُرنگ کے اندر فریدی کافی دور تک نکل آیا تھا۔ صاف
ہوا نہ ملنے سے اس کا دم گھُٹ رہا تھا۔ سانس پھول گئی تھی۔ اس کا سر چکرانے لگا۔
چاروں طرف اسے شور سا سُنائی دینے لگا۔ جیسے پانی کی بہت تیز دھار اوپر سے گر

رہی ہو۔ یکایک اسے بڑی زور کا چکّر آیا۔ اس نے سنبھلنا چاہا۔ بغل والی دیوار پر اس کا ہاتھ پڑا اور بھر بھر کرتے ہوئے تودے نیچے ِگرنے لگے۔ فریدی سنبھل کر نیچے سے ہٹا۔۔۔۔ ہوا کا ایک تیز جھونکا اندر آیا۔ فریدی کے حواس کُچھ درست ہوئے۔ اس نے دیکھا چند ہی قدم پر سُرخ پانی کی ایک تیز دھار اوپر سے گر رہی تھی اور پانی نیچے کی طرف گر کر نالہ کی شکل میں بہہ رہا تھا۔

اٹھتی ہوئی گیس نے اتنا زبردست اندھیرا پھیلا رکھا تھا کہ فریدی اس کے علاوہ کُچھ اور نہ دیکھ سکتا تھا۔ اچانک اُسے نمی سی محسوس ہوئی۔ پانی جیسے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بے تحاشہ اس نے پیچھے کی طرف بھاگنا شروع کیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ بڑی بڑی چٹّانیں بھی دھکیلتا گیا۔ اس طرف بھاری بھاری پتھّر اپنے آپ لڑھک رہے تھے۔ وہ جیسے جیسے پیچھے ہٹتا گیا سُرنگ پیچھے کی طرف دبتی جارہی تھی۔ پانی اب نیچے کی طرف گرنے کی بجائے پھیل رہا تھا اور گیس بھر رہی تھی۔ یہ کان پھٹ جانے کے آثار تھے۔ فریدی نے اور تیزی سے پیچھے بھاگنا شروع کیا۔ وہ پھر غار کے دہانہ تک آگیا تھا۔ گرمی اور حدّت سے اُس کا بدن پھُنکا جارہا تھا۔ اس

نے اوپر کی طرف اُچھلنا چاہا۔ ذرا سا اندازہ غَلَط ہونے پر وہ نیچے گر جاتا۔ اس نے اوپر چڑھنا شروع کیا۔ اسے زمین ہلتی ہوئی معلوم ہوئی۔ سارا زور لگا کر وہ اوپر کی طرف اُچھلا اور ایک سانس میں وہ باہر تھا۔ غار سے باہر نکلتے ہی اسے اپنے قدم لڑکھڑاتے ہوئے معلوم ہوئے سارا زور لگا کر وہ چلّایا۔

"بھاگ جاؤ۔۔۔۔ کان پھٹ رہی ہے۔" چیختے ہوئے وہ بے تحاشا بھاگا۔ بڑے زور کا دھماکہ ہوا اور فریدی نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔ ایک جھٹکا اور لگا فریدی چکرا کر گِرا اور بے ہوش ہو گیا۔

لگاتار دو تین گھنٹے تک دھماکے ہوتے رہے۔ زمین دہل کر اپنے سینے کے اندر چھپائے ہوئے خزانہ کو اُگلتی رہی۔ بڑی بڑی چٹّانیں روئی کے گالوں کی طرح اُڑ گئیں۔ فاگان کی فوجیں کان پھٹنے سے تھوڑی دیر قبل اسی راستے پر قلعہ کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ کان پھٹتے ہی اِرد گرد آدھے میل تک کی زمین پھٹ گئی۔ قلعہ کی فصیل تک گر پڑی مگر قلعہ محفوظ رہا۔

فریدی کو جب ہوش آیا تو صُبح ہو چکی تھی۔ طوفان رُک گیا تھا۔

اِس جگہ سے صرف چند گز کے فاصلے پر ساری زمین ایک بھیانک خندق نما غار میں بدل گئی تھی۔ پانی اوپر تک ابھر آیا تھا۔ فاگان کے ساتھی جس جگہ پر اپنا پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے وہاں سوائے گہرے مہیب غار کے اور کُچھ نظر نہ آتا تھا۔ فریدی کا سارا جسم دُکھ رہا تھا۔ اس کے بدن پر آبلے پڑ گئے تھے۔ اس سے اٹھا نہ جاتا تھا۔ ہمّت کر کے وہ اٹھا اور گھسٹتے گھسٹتے قلعہ کی طرف چلا۔ قلعہ کی سامنے والی دیوار ِگر پڑی تھی اور اب صرف ایک لمبا سا راستہ نظر آ رہا تھا۔ فریدی نے دیکھا اس کی طرف کوئی آ رہا ہے۔ فریدی اسے دیکھتے ہی چیخا۔

"حمید!"

آواز سنتے ہی حمید نے بھاگنا شروع کیا۔ فریدی کے قریب آ کر وہ ٹھٹک گیا۔

"ارے۔۔۔۔!" حمید فریدی کی شکل دیکھ کر چلّا اٹھا۔

"گھبراؤ نہیں۔۔۔۔ میرا میک اپ بگڑ گیا ہے۔" فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہم سب لوگ تو آپ سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ مگر مُجھے یقین تھا کہ فریدی کو ابھی آغوش میں لینے کی ہمّت زمین میں نہیں ہے۔" حمید بولا۔ "ذرا ٹھہریئے میں اور لوگوں کو بلالوں۔"

تھوڑی ہی دیر بعد ڈیگاریکا، رمونا اور رشیدہ آ گئے۔ ڈان ونسنٹ اور فاگان کے ہزار ہا ساتھی کان پھٹ جانے سے لُقمۂ اجل ہو گئے۔ قلعہ کی دیوار کے نیچے دب کر پادری بھی مر گیا تھا۔ رشیدہ نے قلعہ کی اندر کی فوج کو اپنے قابو میں کر لیا تھا۔

تین روز کے اندر فریدی کے زخم بھر گئے۔ پروگرام کے مطابق دوسرے ہی دِن شہریوں کے عام جلسہ میں رشیدہ نے باقاعدہ طور پر رمونا کو نئی فاگانیہ بنانے کا اعلان کیا۔ ڈیگاریکا کو مقدّس باپ کی جگہ دی گئی۔

اسی روز فریدی نے ڈیگاریکا کو بلا کر کہا۔ "اب ہم لوگ جائیں گے۔"

"اور میں بھی انہیں لوگوں کے ساتھ جاؤں گی۔" رشیدہ نے کہا۔

"نہیں۔۔ سینورا تُم نہ جاؤ۔" ڈیگاریکا بولا۔

"میں ضرور جاؤں گی۔۔۔۔ نئی فا گانیہ رمونا میری جگہ تمہارا ساتھ دے گی۔ مُجھے جانے ہی دو۔ میں یہاں نہیں رہ سکتی۔"

ڈیگاریکا اصرار کرتا رہا۔ لیکن رشیدہ کسی طرح ٹھہرنے پر تیّار نہیں ہوئی۔

"میں۔۔۔۔ میں بھی البرانو کے ساتھ جاؤں گی۔" رمونا جذبات سے بھرے ہوئے لہجے میں بولی۔

"تمہارے وطن کو تمہاری ضرورت ہے اور وطن کی خاطر سب کُچھ قربان کر دینا چاہیئے۔" فریدی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"البرانو۔۔۔۔!" اس نے فریدی کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ "تُم ہمیں یاد رہو گے!"

"اچھّا اچھّا ٹھیک ہے۔" فریدی نے گڑبڑا کر کہا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ حمید نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

دوسرے روز حمید انور رشیدہ اور فریدی کو پورے شاہی اہتمام کے ساتھ ڈیگاریکا

اور رمونا نے رُخصت کیا۔ جزیرہ واٹلنگ سے آگے نکل کر حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ فریدی کیبن سے ٹیک لگائے بیٹھا پُر اسرار جزیرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ایک بات میری سمجھ میں نہ آسکی۔ آخر رشیدہ کے مل جانے کے بعد پھر ڈیگاریکا کے ساتھ آپ کیوں گئے؟" حمید نے پوچھا۔

"ایک تو نئی دُنیا دیکھنے اور دریافت کرنے کا شوق۔۔۔۔!"

"غالباً آپ دوسرے کولمبس بننا چاہتے تھے۔" حمید نے فریدی کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"نہیں یہ بات تو نہیں۔ مگر پھر بھی یہی سمجھ لو۔ اس کے علاوہ ایک بات کا شُبہ تھا اور وہ درست نکلی۔"

"وہ کیا۔۔۔؟" حمید انور رشیدہ ایک ساتھ بولے۔

"لندن میں میں نے ماہرِ ارضیات سے سنا تھا کہ واٹلنگ کے آگے ایک پُر اسرار

جزیرے میں پلاٹینم اور تانبے کی کانیں ہیں اور جزیرے میں اُترتے ہی مُجھے شُبہ ہونے لگا تھا کہ یہی وہ جزیرہ ہے جہاں رشیدہ مُجھے ملی تھی وہیں میں نے پلاٹینم کے ذرات پائے تھے، تُم جانتے ہو دُنیا کی سب سے قیمتی دھات پلاٹینم ہوتی ہے۔"

فریدی رُکا، انور، رشیدہ اور حمید ٹکٹکی باندھے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ "وہ کانیں جو پھٹی تھیں وہ پلاٹینم اور تانبے کی تھیں۔ یقین کرو ان سے اتنی پلاٹینم پیدا کی جا سکتی ہے جتنی پوری دُنیا اس وقت پیدا کر رہی ہے۔ عنقریب بین الاقوامی کمیشن کے تحت وہاں کام شروع کرادوں گا۔"

فریدی خاموش ہو گیا اور جیب سے سِگار نکال کر اس کا کونہ توڑنے لگا۔ ہچکولے لیتے ہوئے کشتی نیلگوں پانی کو چیرتے ہوئے آگے بڑھتی جا رہی تھی۔

تمام شُد